واقفین نو کا تعلیمی و تربیتی رسالہ

سہ ماہی | شمارہ نمبر ۱۹ | جولائی - ستمبر ۲۰۲۰ء

فہرست مندرجات

جولائی - ستمبر 2020ء

اداریہ

"محرّم" اسلامی کیلنڈر میں پہلا مہینہ ہے۔ 10/ محرّم کے دن نہ صرف اسلام میں بلکہ اسلام سے قبل بھی کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جو بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہودی اس دن کو یوم عاشورہ کہتے ہیں۔ اس روز کیا ہوا؟

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ایسے یہودیوں کے پاس سے گزرے جنہوں نے یوم عاشورہ کے روز کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: یہ کیسا روزہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آج کے دن ہی اللہ نے موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے بچایا تھا۔ اور اس روز فرعون غرق ہوا تھا، نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر رکی تھی۔ نوح علیہ السلام نے اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھا تھا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں موسیٰؑ کے ساتھ تعلق کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اور اسی وجہ سے اس دن روزہ رکھنے کا بھی میں زیادہ حقدار ہوں۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے صحابہؓ کو بھی عاشورہ کا روزہ رکھنے کا فرمایا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 359-360 مطبوعہ بیروت)" (خطبہ جمعہ فرمودہ یکم اپریل 2005ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 15/ اپریل 2005ء صفحہ 7)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں کہ

"رمضان کے روزے فرض کئے جانے سے پہلے آپؐ نفلی روزے بھی رکھتے تھے، مگر وہ اس طرح باقاعدہ اور معیّن اور موقّت صورت میں مشروع نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے قبل آپؐ یوم عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور صحابہؓ کو بھی اس کی تحریک فرماتے تھے۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ 337)

10/ محرّم 61ھ کے دن نواسۂ رسول ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت ظالمانہ اور سفّاکانہ طریق پر شہید کیا گیا تھا۔ اس واقعہ کو "واقعہ کربلا" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات کے لیے ایک مضمون صفحہ نمبر 20 پر ملاحظہ فرمائیں۔ اس شمارہ کے ابتدائی صفحات بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

اس مہینہ میں ہمیں خاص طور پر درود شریف کا ورد کرنا چاہیے۔

WAQF-E-NAU CENTRAL DEPARTMENT
22 DEER PARK ROAD, LONDON SW19 3TL, UK
TEL: +44 (0) 20 8544 7633, FAX: +44 (0) 20 8544 7643
EMAIL: EDITORURDU@ISMAELMAGAZINE.ORG

مجلسِ ادارت

مدیر اعلیٰ / مینیجر
لقمان احمد کشور

مدیر (اردو)
فرّخ راحیل

مجلس ادارت
صہیب احمد، عطاء الحیٔ ناصر
راشد مبشر طلحہ

معاون مینیجر
اطہر احمد باجوہ

سرورق ڈیزائن
محمد عدیل

ڈیزائن اندرون
چوہدری محمد مظہر

مدیر (انگریزی)
فرّخ احمد ارشد
editorenglish@ismaelmagazine.org

پرنٹنگ
رقیم پریس فارنہم یوکے
آن لائن (Online)
www.alislam.org/ismael
www.waqfenauintl.org

قال اللہ تعالیٰ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:14-16)

ترجمہ:

اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلا شبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متّقی ہے۔ یقیناً اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) ہمیشہ باخبر ہے۔ بادیہ نشین کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ تُو کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن صرف اتنا کہا کرو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ جبکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

قال الرسول ﷺ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ

(سنن ابن ماجه کتاب السنه، باب فضل الحسن والحسین ابنی علی بن أبی طالب رضی الله عنهم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس نے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت کی، اس نے درحقیقت مجھ ہی سے محبت کی اور جس نے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سے بغض رکھا اس نے مجھ ہی سے بغض رکھا۔

کلام الامام علیہ السلام

ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دُنیا کا کیڑہ اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی امر سہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دُور تر لے جاتے ہیں۔ لیکن بد نصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دُنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہّر تھا اور بلا شبہ وہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلا شبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دُنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کا قدر مگر وہی جو اُن میں سے ہیں۔ دُنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دُنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسینؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطہّرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلّشانہ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 544 تا 546)

خلیفۂ وقت کی آواز

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں زمانے کے امام مسیح موعود اور مہدی معہود کو حکم اور عدل بنا کر بھیجا ہے۔ وہ حکم اور عدل جس نے اسلام کی حقیقی تعلیم کی روشنی میں تمام مسلمانوں کو امتِ واحدہ بنانا تھا۔ جس نے مختلف مسالک اور فرقوں کی غلط تشریحات اور فروعی اختلافات کو دور کر کے امّتِ واحدہ بنانا تھا۔ جس نے مسلمانوں کو ایک وحدت عطا کرنی تھی۔ پس آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے وہ لوگ جنہوں نے سنجیدگی سے غور کیا، اسلام کے مختلف فرقوں کے اختلافات کے درد کو محسوس کیا انہوں نے علم، عقل اور دعاؤں سے کام لیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شمولیت اختیار کی اور لاکھوں کی تعداد میں ہر سال یہ شامل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پس جماعتِ احمدیہ کسی فرقے یا مسلک کے فرق یا اختلافِ نظریات اور تشریح و تفسیر پر قائم ہونے والی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق آخری زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کے ذریعے قائم ہونے والی جماعت ہے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں آ کر انہی اختلافات کو جو شیعہ، سنی کے درمیان ہیں یا کسی فرقے اور مسلک کے درمیان ہیں ختم کر کے امتِ واحدہ بنانا ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے آگاہ کر کے ہم نے امتِ واحدہ بنانا ہے۔ اس کام کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تھے۔ اسی کام کے لیے آپؑ نے جماعت کا قیام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28/ اگست 2020ء)

☆...☆...☆

خدا کی ہستی کے متعلق عقلی دلائل

(قسط نمبر 14)
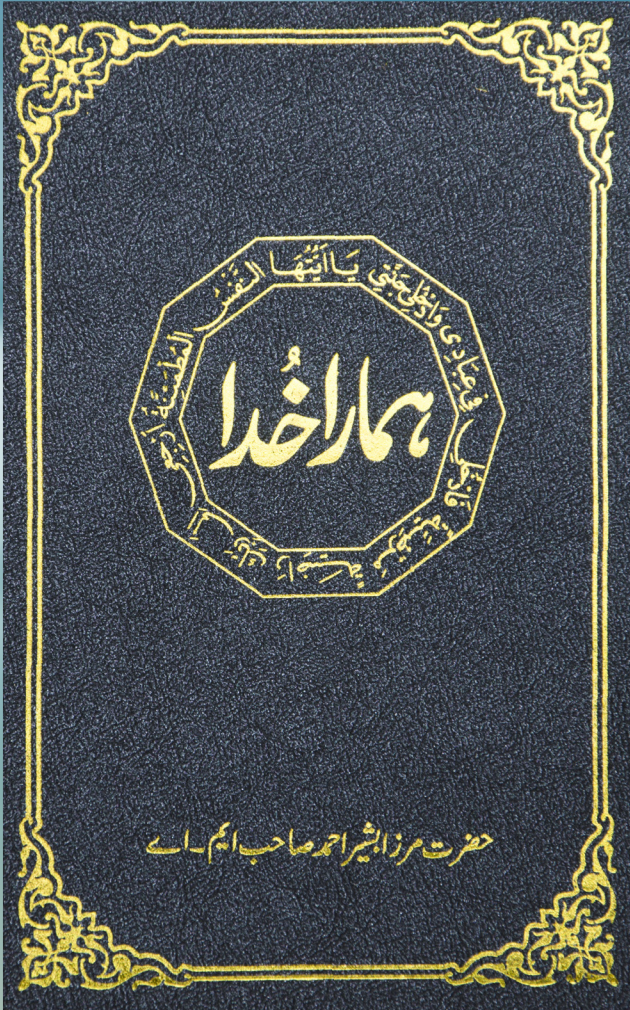
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے
14/ اکتوبر 2016ء کو کینیڈا میں واقفین نو کی کلاس میں
ایک واقفِ نو سے دریافت فرمایا:
"ہمارا خدا" جو کتاب ہے، آپ نے پڑھی ہے؟
حضور انور نے فرمایا: انگریزی میں اس کا نام
Our God ہے۔ اسے ضرور پڑھو۔ ہر وقفِ نو کو یہ کتاب
پڑھنی چاہئے کیونکہ آجکل دہریت کا زور ہے۔

(الفضل انٹر نیشنل 9/ دسمبر 2016ء)

کائنات خلق اور نظام عالم کی دلیل (حصہ چہارم)

اس وقت تک میں نے دنیا کی مختلف چیزوں اور اُن کے حصوں کو انفرادی صورت میں لیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ دُنیا کی ہر چیز اپنی ذات میں ایسی عجیب وغریب ہستی ہے اور ایسے حکیمانہ قانون کے ماتحت چل رہی ہے کہ انسان مجبور ہوتا ہے کہ دُنیا کی پیدائش کو ایک علیم اور قدیر اور حکیم اور متصرف ہستی کی طرف منسوب کرے لیکن جب ہم کسی ایک چیز کے مختلف حصوں کے آپس کے تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں یا مختلف چیزوں کے باہمی تعلقات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پھر یہ دلیل اَور بھی زیادہ روشن ہو کر ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً ہم اونٹ کو لیتے ہیں اور بالفرض یہ مان لیتے ہیں کہ قانون قدرت کے کسی مخفی اور غیر معلوم قاعدہ کے ماتحت اس کو لمبی ٹانگیں مل گئیں۔ یعنی اونٹ کی لمبی ٹانگوں کا ملنا نیچر کے کسی قانون کا نتیجہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس اندھے قانون کو یہ کیسے پتہ لگ گیا کہ اب جو میں نے اسے لمبی ٹانگیں دی ہیں تو اس کی گردن بھی لمبی بنانی چاہئے تا کہ اس کا منہ آسانی کے ساتھ زمین تک پہنچ سکے۔ اور پھر صرف اونٹ میں ہی نہیں بلکہ ہر جانور میں یہی حکیمانہ قاعدہ جاری کر دیا کہ جہاں کسی مصلحت سے ٹانگیں لمبی دی جائیں وہاں گردن بھی لمبی ہو اور جہاں ٹانگیں چھوٹی ہوں وہاں گردن بھی چھوٹی ہو۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لمبے عرصہ کے حالات کا طبعی نتیجہ ہے کہ لمبی ٹانگوں کی وجہ سے گردن بھی آہستہ آہستہ لمبی ہو جاتی ہے مگر یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ دُنیا میں حیاتِ حیوانی کی تاریخ اس بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتی کہ لمبی ٹانگوں والے جانوروں کی گردنیں پہلے چھوٹی ہوا کرتی تھیں اور پھر بعد میں آہستہ آہستہ لمبی ہو گئیں۔ اور پھر اس بات کا بھی کیا جواب ہے کہ لمبی ٹانگوں والے جانور شروع میں جبکہ اُن کی گردنیں چھوٹی ہوتی تھیں کس طرح گزارہ کرتے تھے؟ بہر حال یہ صرف ایک موٹی مثال ہے

ورنہ غور کیا جائے تو دُنیا میں ہر چیز کے مختلف حصّے اس تناسب اور موزونیت کے ساتھ باہم جوڑے گئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

پھر ذرا آگے چلیں تو اس سے بھی بڑھ کر عجیب و غریب اور دلکش منظر نظر آتا ہے۔ قانونِ قدرت کے کسی اتفاقی کرشمہ نے مرد کی پُشت میں نسلِ انسانی کے کیڑے پیدا کر دیئے۔ اور پھر اس قانون نے ہی مرد اور عورت کے اندر یہ خواہش پیدا کر دی کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور اُسی نے ہی مرد کی پُشت کے وہ کیڑے عورت کے تاریک و تار رحم میں پہنچا دیئے اور پھر اسی قانون نے ہی نو ماہ تک اُن میں سے ایک کیڑے کو منتخب کر کے اس کی تربیت کی اور اُسے ایک دل و دماغ رکھنے والا خوبصورت شکل کا بچہ بنا دیا اور پھر اُسی نے ہی اُس بچے کو ماں کے پیٹ سے باہر نکالا۔ گویا کہ اُس کیڑے کے اندرونی تغیرات سب اسی اتفاقی قانونِ قدرت کے ماتحت وقوع میں آ گئے۔ مگر خدارا مجھے یہ سمجھا دو کہ اس اندھے قانون کو کہاں سے سوجھی کہ جب وہ بچہ ماں کے رحم سے باہر آنے والا ہوا تو اُس نے اُس کی خوراک کے واسطے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیا تا پیشتر اس کے کہ بچہ اس دنیا کی روشنی دیکھے اُس کی خوراک پہلے سے دنیا میں موجود ہو۔ ماں کی چھاتیاں تو بچے کے جسم کا حصہ نہیں پھر یہ کیسے ہوا کہ بچے کی خاطر دوسری جگہ ماں کی چھاتیاں اُبھرنی شروع ہو گئیں۔ سبحان اللہ۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ (الحج:75)

پھر اور سنو۔ زمین خود بخود پیدا ہو گئی۔ اُس پر چلنے پھرنے والی چیزیں بھی خود بخود پیدا ہو گئیں۔ انسان بھی اپنے آپ نیست سے ہست میں آ گیا۔ اُس کے ناک کان آنکھ سب خود بخود ظاہر ہو گئے۔ الغرض یہ سب کچھ کسی اتفاقی قانون کے نتیجے میں ہو گیا، لیکن یہ کس طرح ہوا کہ آنکھوں میں جو دیکھنے کی طاقت تھی اُس کے ظاہر کرنے کے لئے اس قانون نے نو کروڑ میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان چراغ بھی روشن کر دیا تا کہ اس کی روشنی زمین پر پہنچے اور پھر انسانی آنکھ اپنی قوت بینائی کو استعمال کر سکے۔ درخت تو زمین پر اُگ آیا۔ اس کے تخم بھی پیدا ہو گئے اور تخم زمین پر گرا کر بوئے بھی گئے لیکن یہ کس نے سوچا کہ ان تخموں کے اُگنے کے واسطے پانی کی بھی ضرورت ہے۔ اور پھر یہ کس نے انتظام کیا کہ سمندر پر سورج کی شعاعیں گرائیں اور وہاں سے کروڑوں ٹن پانی اُٹھا کر ہواؤں کے ذریعہ زمین کے جھلستے ہوئے میدانوں تک پہنچا دیا اور پھر وہاں ان ہواؤں کو بادل کی صورت میں لا کر بارشیں برسا دیں۔ اگر یہ سب کچھ اسی اتفاقی قانون نے کیا اور یہی قانون وہ ہستی ہے جو خالق ہے، مالک ہے، ربّ ہے، علیم ہے، قدیر ہے، حکیم ہے، متصرّف ہے، مہیمن ہے جو غور کرتی اور سوچتی ہے، جو حالات کی مناسبت کا خیال رکھتی ہے، جو اگر ضرورت پیدا کرتی ہے تو دوسری جگہ اس کے پورا کرنے کا سامان بھی مہیا کر دیتی ہے تو ہمیں ناموں سے کچھ سروکار نہیں۔ پھر وہی ہمارا خدا ہے اور اسی کے سامنے ہم محبت و عبودیت کا سجدہ بجالاتے ہیں۔ غرض کسی طریق کو بھی اختیار کیا جاوے اس بات کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں کہ یہ کائنات اور اس کا حکیمانہ نظام ایک ایسی ہستی کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو خالق ہے، مالک ہے، حکیم ہے، علیم ہے، قدیر ہے، متصرف ہے، غرض ان تمام صفات سے متصف ہے جو مذہب خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔

اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم نے علمی اصطلاحات اور پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے محض سادہ طور پر اس دلیل کو بیان کیا ہے تا کہ ہمارے نوجوان عزیز اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ لیکن اس دلیل کو علمی طور پر بھی بیان کیا جا سکتا ہے جو مختصراً یہ ہے کہ نیچر کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ اس دُنیا کی لاتعداد مختلف اشیاء میں انفرادی طور پر بھی اور مجموعی طور پر بھی تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اوّل دُنیا کی ہر چیز میں کیا بلحاظ اس کی اپنی ذات کے اور کیا بلحاظ دوسری چیزوں کے ساتھ اس کے تعلقات کے ایک نہایت درجہ مفصّل اور کامل و مکمل قانون جاری ہے جسے انگریزی میں لاء آف نیچر (Law of Nature) کہتے ہیں اور یہ قانون اگر اس کو صحیح طور پر مطالعہ کیا جاوے تو صانعِ عالَم کے وجود پر ایک نہایت زبردست اور روشن دلیل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی کوتاہ نظری سے خود اسی قانون کو اپنے لئے ٹھوکر کا موجب بنا رکھا ہے۔

دوسرے دنیا کی ہر چیز میں اور نیز اس حکیمانہ قانون میں جو نیچر میں کام کر رہا ہے نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ مجموعی طور پر بھی ایک خاص معین نقشہ اور ترتیب نظر آتی ہے جسے دیکھتے ہوئے کوئی دانا شخص اسے ہرگز اتفاق کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ اس نقشہ اور ترتیب کو انگریزی میں ڈیزائن (Design) یا پلین (Plan) کہتے ہیں۔

تیسرے دُنیا کی ہر چیز معہ اپنے قانون اور معہ اپنے ڈیزائن یا پلین کے ایک خاص غرض وغایت کے ماتحت کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یعنی اس عالَمِ دنیوی کی ہر چیز میں ایک علّتِ غائی ثابت ہوتی ہے اور اس علم کو انگریزی میں ٹیلی آلوجی (Teleology) کہتے ہیں اور یہ علّتِ غائی ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود پر ایک نہایت زبردست دلیل ہے۔ مختصر یہ کہ نظامِ عالَم کا مطالعہ بڑے زور کے ساتھ انسان کو اس طرف مائل کرتا ہے کہ یہ دنیا خود بخود اپنے آپ سے نہیں ہے بلکہ ایک مُدرک بالارادہ ہستی کے دستِ قدرت سے عالم وجود میں آئی ہے۔ وھو المراد۔

(ہمارا خدا۔ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ۔ صفحہ 64 تا 67)

(باقی آئندہ)

جلسہ سالانہ برطانیہ 2020ء کی مختصر روئیداد

(سعید الدین احمد۔یوکے)

امسال جماعت احمدیہ برطانیہ کا جلسہ سالانہ جو 7، 8، 9 / اگست 2020ء کو منعقد ہونا تھا۔Covid-19 کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا تھا۔ جلسہ سالانہ کی بنیاد سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اذن پاکر 1891ء میں قادیان (اس وقت کا متحدہ ہندوستان) میں رکھی اور پہلے جلسہ پر 75 مخلصین وفدائین نے شمولیت فرمائی تھی۔

اب اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید الٰہی سے دنیا بھر میں 100 کے قریب ممالک میں یہ جلسے بڑی شان سے منعقد ہوتے ہیں جن میں ایک برطانیہ کا جلسہ بھی شامل ہے۔ 1984ء سے ہجرت کے بعد سے حضرت خلیفۃ المسیح برطانیہ کے جلسہ میں بنفس نفیس شمولیت فرماتے ہیں اور یوں یہ جلسہ مرکزی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور اب MTA کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح کے خطابات براہ راست دنیا بھر کے احمدی احباب و خواتین سماعت فرماتے ہیں جو ازدیاد علم و ایمان کا باعث بنتے ہیں۔

چنانچہ امسال ایم ٹی اے نے حضور انور کی منظوری سے یہ فیصلہ کیا کہ جلسہ سالانہ کی یادیں تازہ رکھنے کے لئے ان تین دنوں میں حضور انور کے گزشتہ سالوں کے خطابات اور کچھ لائیو اور ریکارڈ پروگرامز نشر کئے جائیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 7 / اگست کو مسجد مبارک اسلام آباد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں دوران سال جماعت احمدیہ پر ہونے والے افضال وبرکات کا ذکر فرمایا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس خطبہ میں اعلان فرمایا کہ کچھ افضال کا ذکر اتوار مورخہ 9 / اگست کو ایک مختصر سے اجتماع پر کروں گا۔

اس مختصر سے اجتماع کا انتظام ایوان مسرور اسلام آباد ٹلفورڈ میں کیا گیا جس کو خوبصورت بینرز سے سجایا گیا تھا۔ چاروں اطراف پر دیواروں کے نچلے حصہ کو نیلے رنگ کے کپڑے کی جھالروں سے سجایا گیا تھا۔ نیچے فرش پر سُرخ رنگ کے کارپٹ بچھائے گئے تھے۔ کرسیوں کا بندوبست سماجی دوری کے ساتھ تھا جن پر خوش قسمت شاملین، وقت سے قبل آکر بیٹھ گئے تھے۔ یہ نہایت خوش نصیب شاملین دنیا بھر کے احمدیوں کی نمائندگی میں وہاں موجود تھے۔ اسٹیج کے عقب میں دیوار پر مسجد مبارک کا عکس نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ منارۃ المسیح بنایا گیا تھا اور ایک طرف Jalsa Salana United Kingdom 2020 اور دوسری جانب آیت کریمہ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی مع انگریزی ترجمہ درج تھی۔

ایم ٹی اے کی ٹیم کی کاوشوں سے اس روحانی، علمی مائدہ سے دنیا بھر کے احمدی مستفیض ہونے والے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز برطانیہ وقت کے مطابق شام ٹھیک 4 بجے ہال میں جلوہ افروز ہوئے۔ شاملین نے کھڑے ہو کر اپنے آقا کا استقبال کیا۔ حضور انور نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور ہال نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھا۔

پیارے حضور نے اسٹیج پر سجی کرسی پر رونق افروز ہو کر مکرم نصر احمد ارشد کو تلاوت قرآن پاک کے لئے بلایا جنہوں نے سورۃ الصف کی آیت نمبر

10،9،8 کی تلاوت خوش الحانی سے کی۔ بعد ازاں مکرم آصف بن اویس نے ان آیات کا ترجمہ تفسیر صغیر از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پیش کیا۔ نظم کی سعادت مکرم رانا محمود الحسن کے حصہ میں آئی۔ جنہوں نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام "حمد و ثنا اسی کو جو ذات جاودانی" اپنے مخصوص انداز میں پڑھ کر سنایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے روسٹرم پر تشریف لاکر فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کے بعد سال 2019ء اور 2020ء میں جماعت احمدیہ پر ہونے والے افضال و برکات کے ذکر کا دوسرا حصہ بیان فرمایا۔ مرکزی دفاتر کے علاوہ عربی، فرنچ، ترکی، رشین، بنگلہ، چینی، انڈونیشین، سواحیلی اور سپینش ڈیسک کی ایمان افروز رپورٹس پیش فرمائیں۔ ان ڈیسک کے تحت شائع ہونے والی کتب، سوشل میڈیا کے ذریعہ پیغامات، قبولِ احمدیت کے واقعات اور اخبارات کا ذکر فرمایا۔ مرکزی دفتر تحریک وقف نو کے حوالہ سے حضور نے فرمایا کہ یہ دفتر بھی اب آرگنائزڈ ہو چکا ہے۔ اس کے تحت دنیا بھر کے واقفین نو کی تعداد 72932 ہے۔ جن میں لڑکے 43281 ہیں اور لڑکیاں 27294 ہیں۔ دنیا بھر سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل اور میڈیا کی دلچسپ رپورٹس پیش فرمائیں۔ فرمایا یہ دَور آن لائن کا دور ہے اور دنیا بھر سے کروڑوں لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔

مخزن تصاویر، اسلامی ریڈیوز اور ایم ٹی اے کی بھی ایمان افروز رپورٹس پیش کیں۔

حضور انور نے بیعتوں کے حوالہ سے فرمایا کہ وبا کی وجہ سے جب باہر جانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ ان مشکل حالات میں بھی ایک لاکھ 12 ہزار سے

زائد بیعتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔

حضور انور نے اپنے خطاب کے آخری حصہ میں دنیا بھر سے احمدیوں کی مالی، جانی اور وقت کی قربانی کرنے کے ایمان افروز واقعات سنائے اور شام 6 بجے حضور نے دُعاؤں کے ساتھ اپنے خطاب کو مکمل فرمایا اور لمبی پُر سوز دُعا کروائی اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کا مبارک تحفہ احباب جماعت کو دے کر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز روانہ ہو گئے۔

یہ جلسہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں رہتی دنیا تک ایک منفرد جلسہ کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ ایک پُر کیف نظارہ تھا اور ہال نورانی شعاعوں سے بھرا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس جلسہ کے دوررس نتائج مترتب فرمائے۔ ہم ان افضال و برکات کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان انعامات کو ہم پر جاری و ساری رکھے اور خلافت کی برکات و فیوض سے ہم حصہ لیتے رہیں، آمین۔

☆...☆...☆

تحریک وقف نو
خلافتِ احمدیہ کی بابرکت رہنمائی

(لقمان احمد کشور۔ انچارج شعبہ وقف نو مرکزیہ لندن)

خدا تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے خلافت جیسی عظیم نعمت ہم پر اتاری ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح کا بابرکت وجود ہر لحہ ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے جو ظلمتوں کے اس دور میں ہمارے لیے مشعل راہ ہے اور تاریک راہوں پر ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے جو ہمیں ہماری منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے درست سمت میں رہ نمائی کرنے والا ہے۔ اس نعمت پر ہم خدا تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

تحریک وقفِ نو کی اگر بات کی جائے تو یہ وہ تحریک ہے جو اپنی پیدائش 3/ اپریل 1987ء کے وقت سے لے کر اپنی بلوغت سے گزرتے ہوئے اب ایک باشعور ذمہ دار عمر کو پہنچ چکی ہے۔ اس تحریک کا بچہ بچہ اپنے خلفاء کی پدرانہ شفقت کے سایہ تلے پلا بڑھا، جوان ہوا ہے جنہوں نے ہر قدم پر ان واقفین نو کی اس طرح رہنمائی کی ہے کہ وہ اپنے حقیقی مقصد کو پانے والے ہوں اور وقف کی اہمیت کے ساتھ آئندہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے صحیح رنگ میں خلافتِ احمدیہ کے سلطان نصیر اور جماعتِ احمدیہ کے خدمت گار بننے والے ہوں۔

خلافت رابعہ اور خلافت خامسہ دونوں ادوار میں واقفین نو کی رہنمائی کے لیے خلفائے وقت نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اس تحریک کے واقفین نو کو خصوصی توجہ اور وقت دیا۔ زیادہ سے زیادہ وقت ان کو اپنی بابرکت مجالس میں بیٹھنے کا موقع دیا تا یہ اس روحانی وجود پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے فیوض سے مستفیض ہونے والے ٹھہریں اور اپنی زندگیوں کو اسلام اور جماعتِ احمدیہ کی تعلیمات کی اشاعت اور اس کی خدمت کے لیے تیار کرنے والے ہوں۔

اس کے لیے کیا خطبات جمعہ، کیا خطابات بر اجتماعات وقف نو اور پھر دیس بدیس جہاں بھی خلافتِ احمدیہ کے مبارک قدم پڑے وہاں وقف نو کلاسز میں رونق افروز ہو کر ان واقفین نو کو برکت بخشی اور بیش بہا قیمتی نصائح سے نوازا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر موقع پر واقفین نو کا ایک علیحدہ تشخص قائم کرتے ہوئے ان پر شفقت کی نظر ڈالی اور انفرادی ملاقاتوں میں بھی ان پر خصوصی توجہ فرمائی تا یہ اپنے اصل مقام کو سمجھنے والے ہوں اور صرف وقف نو کا ٹائٹل لگا کر ہی خوش نہ ہوں بلکہ ان سب شفقتوں کے نتیجہ میں ''اسپیشل'' واقفین نو کی خصوصیات اپنے اندر پیدا کرنے والے ہوں۔ یہ دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو کر لکھو کھہا تربیت یافتہ واقفین زندگی بنیں جو بلا استثناء جماعت کے ہر طبقہ اور ہر ملک سے آنے والے ہوں اور اس صدی کے لیے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کیا جانے والا بہترین تحفہ ثابت ہوں۔ آمین

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے نہ صرف اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 10/ فروری 1989ء میں والدین اور انتظامیہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے نصائح فرمائیں بلکہ اپنے لگاتار 5، 6 خطبات میں ان تمام باتوں کو کھول کھول کر بیان فرمایا تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ پس پیشتر اس کے کہ یہ بچے اتنے بڑے ہوں کہ جماعت کے سپرد کئے جائیں ان ماں باپ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ ان قربانیوں کو اس طرح تیار کریں کہ ان کے دل کی حسرتیں پوری ہوں جس شان کے ساتھ وہ خدا کے حضور ایک غیر معمولی تحفہ پیش کرنے کی تمنا رکھتے ہیں وہ تمنائیں پوری ہوں۔

پھر تربیتی نقطۂ نظر سے خصوصی توجہ دلاتے ہوئے والدین کو نصیحت کی کہ ان کی پرورش اور تربیت میں کسی طرف سے غافل رہے تو خدا کے حضور مجرم ٹھہریں گے۔ ان میں بچپن سے ہی اخلاق حسنہ کی آبیاری کی جائے جو ان میں بدرجہ اولیٰ نظر آئیں۔ ان کے مزاج میں شگفتگی ہو۔ ترش رو نہ ہوں۔ قانع ہوں۔ حرص وہوس سے دُور ہوں اور سچائی، دیانت و امانت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے والے ہوں۔ صاف ستھرے اور پاکیزہ رہنے والے ہوں۔ خوش مزاجی، تحمل اور برداشت ان کی وصف ہوں۔ ان کے مذاق اور مزاح میں بھی پاکیزگی ہو۔ غنا کی خوبی سے واقف ہوں۔ شروع سے ان کی قرآن کریم کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ ان کی دینی و دنیاوی تعلیم میں بھی وسعت ہو۔ ان کے علم کا دائرہ وسیع ہو۔ ان میں وفا کا مادہ پیدا کریں۔ ان کی عمومی صحت بھی اچھی ہو، ان کی بدنی صحت کا خیال

رکھا جائے۔ سخت جان ہوں۔ نظام جماعت کی اطاعت کی بچپن سے عادت ڈالیں۔ اپنی اپنی ذیلی تنظیموں کا حصہ بنیں۔ ان کے کردار میں عظمت ہو تا بات اور دعا میں عظمت پیدا ہو، دشمنوں کے دل جیتنے والے ہوں۔ ان کو بچپن سے ہی اپنی مادری زبان، اردو اور عربی کے ساتھ کوئی نہ کوئی غیر زبان بھی سکھائیں تا وہ بعد میں اس میں ماہر بن سکیں۔ واقفین بیٹیوں کو علمی کاموں میں شامل کریں۔ گویا ہر لحاظ سے وہ آئندہ صدی کی عظیم لیڈر شپ کی اہلیت اپنے اندر رکھنے والے ہوں۔

مگر ان سب باتوں کے لیے جو اہم بات والدین کو بتائی کہ جس پر چل کر وہ اپنی ذمہ داری حقیقی طور پر پوری کرنے والے بن سکتے ہیں کہ ”پس ایک ہی راہ ہے اور صرف ایک راہ ہے کہ ہم اپنے وجود کو اور اپنے واقفین کے وجود کو خدا کے سپرد کر دیں اور خدا کے ہاتھوں میں کھیلنے لگیں۔“

اس وقت روئے زمین پر صرف ایک ہی وجود ایسا ہے جس پر ہر احمدی مسلمان کا ایمان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے جو خدا کا نمائندہ اور خلیفۃ اللہ ہے۔ اس کی ہر بات خدا کی طرف سے ہے۔ اور وہ یقیناً ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بابرکت وجود ہی ہے جو ظلمتوں کے اس دَور میں براہ راست خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور رہنمائی پاتا ہے اور زمانے کی بدیوں کے مقابلہ کے لیے وہ ہماری ڈھال ہے۔ اسی کے سایہ تلے آکر ہم اس زمانہ کی دھوپ سے بچ سکتے ہیں اور خود کو اسی کے سپرد کر کے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ حقیقی طور پر ہم خدا کے سپرد ہیں اور اس کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔

ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے منصب خلافت پر فائز ہوتے ہی طفولیت کی عمر میں پہنچی ہوئی اس تحریک کو اپنی آغوش میں لے لیا اور بلوغت میں قدم رکھتی اس نسل کی پرورش اور تربیت کے لیے ہر لحہ نگرانی اور رہنمائی فرمائی۔

27/جون 2003ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں واقفین نو کے والدین کو توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانے میں جو ضرورت پیش آنی ہے مبلغین کی بہت بڑی تعداد کی ضرورت ہے اس لیے اس نہج پر تربیت کریں کہ بچوں کو پتہ ہو کہ اکثریت ان کی تبلیغ کے میدان میں جانے والی ہے۔

اس کے ساتھ یہ نصیحت فرمائی کہ تربیت کی ضروری باتوں میں سے سب سے پہلی اور اہم بات وفا کا معاملہ ہے جس کے بغیر کوئی قربانی، قربانی نہیں کہلا سکتی۔

پھر فرمایا کہ میرے نزدیک انتہائی اہم باتوں میں سے ایک بلکہ سب سے اہم بات ہے کہ بچوں کو پانچ وقت نمازوں کی عادت ڈالیں۔ کیونکہ جس دین میں عبادت نہیں وہ دین نہیں۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 22/اگست 2003ء صفحہ 5 تا 8)

آج بھی ہمارے دل وجان سے پیارے آقا اپنی اس روحانی اولاد کی تربیت پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں اور اس کے لیے خطبات جمعہ، خطابات بر اجتماعات وقف نو اور کلاسز میں ہر طرح سے رہنمائی فرما رہے ہیں۔

آپ کا خطبہ جمعہ فرمودہ 28/اکتوبر 2016ء بمقام کینیڈا اس حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے جس میں آپ نے واقفین نو اور ان کے والدین کو نصیحت کرتے ہوئے تربیت کے بعض اہم معیار بیان فرمائے کہ اگر واقفین نو خود کو اسپیشل سمجھتے ہیں تو پھر کیسے وہ حقیقی وقف نو اور پھر ”سپیشل“ وقف نو بن سکتے ہیں۔ انہیں توجہ دلائی کہ اسپیشل بننے کے لیے ثابت کرنا ہو گا کہ وہ ان معیاروں پر پورا اترنے والے ہیں۔ پھر جلسہ سالانہ

یوکے 2018ء کے موقع پر مستورات سے اپنے خطاب میں اس خطبہ کو واقفین نو کے لیے ایک لائحہ عمل قرار دیا کہ جس پر عمل کر کے واقفین نو سلسلہ کے لیے مفید وجود ثابت ہو سکتے ہیں۔

واقفین نو کے بلند معیار بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”وقف نَو جیسا کہ میں نے کہا بڑے سپیشل ہیں لیکن سپیشل ہونے کے لئے ان کو ثابت کرنا ہو گا۔ کیا ثابت کرنا ہو گا؟ کہ وہ خدا تعالیٰ سے تعلق میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں تب وہ سپیشل کہلائیں گے۔ ان میں خوف خدا دوسروں سے زیادہ ہے تب وہ سپیشل کہلائیں گے۔ ان کی عبادتوں کے معیار دوسروں سے بہت بلند ہیں تب وہ سپیشل کہلائیں گے۔ وہ فرض نمازوں کے ساتھ نوافل بھی ادا کرنے والے ہیں تب وہ سپیشل کہلائیں گے۔ ان کے عمومی اخلاق کا معیار انتہائی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ یہ ایک نشانی ہے سپیشل ہونے کی۔ ان کی بول چال، بات چیت میں دوسروں کے مقابلے میں بہت فرق ہے۔ واضح پتا لگتا ہے کہ خالص تربیت یافتہ اور دین کو دنیا پر ہر حالت میں مقدم کرنے والا شخص ہے تب سپیشل ہوں گے۔ لڑکیاں ہیں تو ان کا لباس اور پردہ صحیح اسلامی تعلیم کا نمونہ ہے جسے دوسرے لوگ بھی دیکھ کر رشک کرنے والے ہوں اور یہ کہنے والے ہوں کہ واقعی اس ماحول میں رہتے ہوئے بھی ان کے لباس اور پردہ ایک غیر معمولی نمونہ ہے تب سپیشل ہوں گی۔ لڑکے ہیں تو ان کی نظریں حیا کی وجہ سے نیچے جھکی ہوئی ہوں نہ کہ ادھر ادھر غلط کاموں کی طرف دیکھنے والی تب سپیشل ہوں گے۔ انٹرنیٹ اور دوسری چیزوں پر لغویات دیکھنے کی بجائے وہ وقت دین کا علم حاصل کرنے کے لئے صرف کرنے والے ہوں تو تب سپیشل ہوں گے۔ لڑکوں کے حلیے دوسروں سے انہیں ممتاز کرنے والے ہوں تو تب سپیشل ہوں گے۔ وقف نَو لڑکے اور لڑکیاں روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے اور اس کے احکامات کی تلاش کر کے اس پر عمل کرنے والے ہوں گے تو پھر سپیشل کہلا سکتے ہیں۔ ذیلی تنظیموں اور جماعتی پروگراموں میں دوسروں سے بڑھ کر اور باقاعدہ حصہ لینے والے ہیں تو پھر سپیشل ہیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے لئے دعاؤں میں اپنے دوسرے بہن بھائیوں سے بڑھے ہوئے ہیں تو یہ ایک خصوصیت ہے۔ رشتوں کے وقت لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی دنیا دیکھنے کی بجائے دین دیکھنے والے ہیں اور پھر وہ رشتے نبھانے والے بھی ہیں تو تب کہہ سکتے ہیں کہ ہم خالصتاً دینی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے رشتے نبھانے والے ہیں تو سپیشل کہلائیں گے۔ ان میں برداشت کا مادہ دوسروں سے زیادہ ہے، لڑائی جھگڑا اور فتنہ و فساد کی صورت میں اس سے بچنے والے ہیں بلکہ صلح کروانے والے ہیں تو سپیشل ہیں۔ تبلیغ کے میدان میں سب سے آگے آکر اس فریضہ کو سرانجام دینے والے ہیں تب سپیشل ہیں۔ خلافت کی اطاعت اور اس کے فیصلوں پر عمل میں صف اول میں ہیں تو سپیشل ہیں۔ دوسروں سے زیادہ سخت جان اور قربانیاں کرنے والے ہیں تو بالکل سپیشل ہیں۔ عاجزی اور بے نفسی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں، تکبر سے نفرت اور اس کے خلاف جہاد کرنے والے ہیں تو بڑے سپیشل ہیں۔ ایم ٹی اے پر میرے خطبے سننے والے اور میرے ہر پروگرام کو دیکھنے والے ہیں تاکہ ان کو رہنمائی ملتی رہے تو بڑے سپیشل ہیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28/اکتوبر 2016ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 18/ نومبر 2016ء صفحہ 7تا8)

اسی خطبہ جمعہ میں آپ نے فرمایا کہ

”واقفین نَو کو تو اپنے قناعت کے معیاروں کو بہت بڑھانا چاہئے۔ اپنی قربانی کے معیاروں کو بہت بڑھانا چاہئے۔ یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہم مالی لحاظ سے کمزور ہوں گے تو ہمیں شاید ہمارے بہن بھائی کمتر سمجھیں یا والدین ہمیں اس طرح توجہ نہ دیں جس طرح باقیوں کو دے رہے ہیں۔ اول تو والدین کو ہی یہ خیال کبھی دل میں نہیں لانا چاہئے کہ واقفین زندگی کمتر ہیں۔ واقفین زندگی کا معیار اور مقام ان کی نظر میں بہت بلند ہونا چاہئے۔ لیکن واقفین زندگی کو خود اپنے آپ کو ہمیشہ دنیا کا عاجز ترین بندہ سمجھنا چاہئے۔

واقفین نَو کو جہاں قربانی کا معیار بڑھانا ہے وہاں اپنی عبادتوں کے معیار کو بھی بلند کرنا چاہئے، اپنی وفا کے معیار کو بھی بڑھانا چاہئے۔ اپنے اور اپنے والدین کے عہد کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں اور استعدادوں سے کام لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دین کی خاطر، دین کی سربلندی کی خاطر کام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تب اللہ تعالیٰ بھی نوازتا ہے اور کسی کو بغیر جزا کے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑتا۔“(خطبہ جمعہ فرمودہ 28/اکتوبر 2016ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 18/نومبر 2016ء صفحہ 6)

اس کے علاوہ ان واقفین نو کی تربیت کی فکر اور ان کے ساتھ محبت اور شفقت ہی کا سلوک ہے کہ بعض اوقات آپ باوجود اپنی ناسازی طبع کے ان کی کلاسز اور بیرون ممالک سے اپنے آقا کے رخ انور کے دیدار کی طمع لے کر حاضر ہونے والے وفود کی مجالس میں رونق افروز ہوتے ہیں اور ان کو ان روحانی برکات سے فیض یاب ہونے کا موقع دیتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے روئے ارض پر اپنے خلیفہ کے وجود میں جاری کر رکھی ہیں۔ جہاں بظاہر دیکھنے والوں کو تو سامنے کلاس میں بیٹھے ہوئے واقفین نو کے بچگانہ سوالوں

کے جوابات ان کی عقلوں اور عمروں کے مطابق دیتے نظر آتے ہیں ورنہ در حقیقت بقول حضرت مصلح موعودؓ خلیفہ کا یہ کام نہیں کہ مجالس میں وہ تمہارے سوالوں کا جواب دیتا پھرے بلکہ وہ تو یہ سب اس لیے کرتا ہے کہ تا تم اس کی مجلس میں بیٹھو اور ان فیوض سے حصہ پاؤ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے وجود میں نازل ہو رہے ہوتے ہیں۔

حقیقت بھی تو یہی ہے اگر کوئی سمجھے جو اوپر بیان ہو چکا کہ دراصل حضرت خلیفۃ المسیح کا وجود انہیں اس مجلس میں روحانی برکت بخش رہا ہوتا ہے اس لیے جتنا موقع میسر ہو سکے ان مجالس میں شامل ہو کر مستفیض ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ ہمارے پیارے حضور کی عمر اور صحت میں بھی برکت عطا فرمائے جو ہمارے لیے اس فیضان کا سرچشمہ اور ان برکات کا موجب ہیں اور ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم ان سب برکات سے حصہ پانے والے ہوں جو خدا نے اپنے خلیفہ کے وجود سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ آمین

اس کے علاوہ حضور انور ایدہ اللہ کی براہ راست رہنمائی میں واقفین نو کی تعلیم و تربیت کے لیے مرکزی رسائل بھی جاری ہیں۔ واقفین نو کے لیے "اسماعیل" اور واقفات نو کے لیے "مریم" رسالہ ہر سہ ماہی میں شائع ہوتا ہے۔ یہ رسائل شعبہ وقف نو مرکزیہ کی ویب سائٹ WWW. WAQFENAUINTERNATIONAL.ORG پر بھی آن لائن دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ دونوں رسائل یوکے کے علاوہ انڈیا سے بھی شائع ہوتے ہیں۔ انڈیا میں "اسماعیل" میگزین "گلدستہ وقف نو" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ انڈونیشیا میں بھی یہ رسائل انڈونیشین زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ جرمنی سے بھی دونوں رسائل جرمن زبان میں شائع ہو رہے ہیں۔

حضور انور ایدہ اللہ کی براہ راست رہنمائی میں واقفین نو کی تعلیم و تربیت اور والدین کی رہنمائی نیز رابطہ کے لیے مذکورہ بالا مرکزی ویب سائٹ کا بھی اجرا ہو چکا ہے۔

گذشتہ سال حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خصوصی شفقت اور رہنمائی سے دنیا بھر کی جماعتوں کے نیشنل سیکرٹریان کا پہلا سہ روزہ ریفریشر کورس بھی 6 تا 8 دسمبر 2019ء اسلام آباد، ٹلفورڈ میں منعقد ہو چکا ہے جس میں حضور انور نے اپنے نہایت زریں خطاب میں 33 ممالک کے شاملین نیشنل سیکرٹریان وقف نو اور جملہ مہمانان کو وقف نو کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو باحسن سرانجام دینے کی طرف توجہ دلائی۔

اب ذیل میں ایسی ہی بعض مجالس میں مختلف مواقع پر ہونے والی اجتماعی یا انفرادی انتظامی ہدایات بغرض رہنمائی قارئین کی نذر کی جاتی ہیں:

☆... آسٹریلیا میں واقفین نو بچوں کی کلاس میں ایک سوال یہ کیا گیا کہ جب وقف نو بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو کیا وہ کہیں بھی Job کر سکتے ہیں۔ اس پر حضور انور نے فرمایا:

اگر جماعت اجازت دے گی تو کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ جماعت کی خدمت کرنی چاہیے۔ لڑکیاں بھی جماعت سے پوچھیں۔ اگر جماعت کہہ رہی ہے کہ فوری طور پر تمہاری ضرورت نہیں ہے تو پھر تمہیں اجازت دیں گے کہ تم کچھ وقت باہر جاب (Job) کر سکتی ہو۔ لیکن اس کے لیے پوچھنا اور اجازت لینا ضروری ہے۔

حضور انور نے فرمایا: میں نے بارہا یہ ہدایت دی ہے کہ جب پندرہ سال کے ہو جاؤ تو وقف کا فارم پر کر کے اپنے آپ کو پیش کرو۔ پھر جب تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے تو پھر دوبارہ اپنے آپ کو پیش کرو اور بتاؤ کہ میں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی ہے۔ یہ میری تعلیم اور ڈگری ہے اور مجھے بتایا جائے کہ میں اب کیا کروں۔ پھر تمہیں بتائیں گے کہ اپنا کام کر لو اور جماعت کی خدمت بھی ساتھ ساتھ کر لو یا اپنے آپ کو پوری طرح جماعت کے سپرد کرو۔ پھر جماعت جہاں خدمت لینا چاہے گی لے گی۔

☆... مجلس عاملہ ناروے کی حضور انور کے ساتھ ملاقات تھی اس دوران حضور انور ایدہ اللہ نے ہدایت فرمائی ہے کہ

واقفین نو بچے ذیلی تنظیموں کے پروگرام میں پہلے شامل ہوں۔ بعد میں ان کے اپنے پروگرام ہوں۔ ان کے ذہن میں ہونا چاہیے کہ یہ ذیلی تنظیموں کا اسی طرح حصہ ہیں جس طرح دوسرے بچے ہیں۔ بچپن سے ہی ان کی ٹریننگ ہونی چاہیے کہ بہن بھائیوں سے نہیں لڑنا۔

☆... 14 ستمبر 2012ء میں جرمنی میں واقفین نو کی حضور انور کے ساتھ کلاس ہوئی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

واقفین نو چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ان کا انتظام نیشنل سیکرٹری وقف نو کے ذمہ ہے۔ لجنہ کے تحت نہیں ہے۔ لجنہ میں سیکرٹری وقف نو کوئی نہیں ہے۔ لجنہ آپ کی مددگار تو ہو سکتی ہے لیکن ان کو آپ کی ہی ہدایات کو FollowUp کرنا چاہیے۔ ان کی علیحدہ سے اپنی کوئی پالیسی نہیں ہونی چاہیے۔

(باقی آئندہ)

☆...☆...☆

قادیان کی ابتدائی تاریخ

(سمرقند سے پنجاب تک)

(لقمان انجم)

یہ 1530ء کا سال تھا کہ جب سرزمین ہند پر خاندان مغلیہ کی بادشاہت قائم ہو چکی تھی اور مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر، (عظیم اور جابر بادشاہ امیر تیمور لنگ کا پوتا) کی طاقت کا ڈنکہ مکمل طور پر پورے ہندوستان پر بج رہا تھا کہ اس دوران سمرقند سے تعلق رکھنے والے، تیموری خاندان کے چشم و چراغ، ایک بزرگ حضرت مرزا ہادی بیگ سلطنت مغلیہ سے جاگیر پا کر عازم پنجاب ہوئے اور ایک مستقل اور خود مختار ریاست کی بنیاد ڈالی۔ آپ لاہور سے ستر میل دور دریائے بیاس کے قریب ماجھا کے علاقہ میں ایک جنگل اور ویران جگہ پر فروکش ہو گئے اور ایک نئی بستی بسائی جس کا نام "اسلام پور" رکھا جو کہ بعد میں اسلام پور قاضی ماجھی اور پھر بعد میں قاضی سے بدلتے بدلتے قادیان ہو گیا۔

قادیان کی اس ریاست کے مرکزی سلطنت مغلیہ کے ساتھ بڑے اچھے مراسم رہے نیز اس ریاست کا انتظام نہایت احسن طریق پر چلتا رہا جس کی بدولت اس کی عملداری 60 میل دور تک پھیل گئی۔ حضرت مرزا ہادی بیگ صاحب کی نویں پشت میں مرزا فیض محمد صاحب کو مغل باشاہ محمد فرخ سیر نے ہفت ہزاری امراء میں شامل کر کے "عضد اللہ" کا عظیم الشان خطاب بھی دیا۔ اس منصب کے تحت مرزا فیض محمد صاحب اپنی ریاست میں سات ہزار پر مشتمل ایک فوج رکھ سکتے تھے جو کہ اس زمانہ میں ایک بڑی جنگی طاقت تھی۔

ہندوستان کی مغلیہ سلطنت جب اپنی کسل اور نالیاقتی کی بدولت ضعف اور اضمحلال کا شکار ہو کر روبہ زوال ہوئی تو اس کا اثر ریاست قادیان پر بھی پڑا چنانچہ مرزا فیض محمد صاحب کے بعد ان کے بیٹے مرزا گل محمد صاحب کے ہاتھ ریاست قادیان کا انتظام آیا تو اس وقت ریاست قادیان کی عملداری صرف پچاسی گاؤں تک تھی۔ مرزا گل محمد صاحب ایک ولی، پارسا حکمران، اور اعلیٰ درجہ کے جرنیل تھے۔ ان کے وقت میں ریاست قادیان کی عملداری کم ہوتے ہوتے صرف پچاسی گاؤں تک محدود رہ گئی تھی مگر اس کے باوجود ان میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور اعلیٰ طور پر حکمرانہ اوصاف تھے۔ ان کی فیاضی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ "ہمیشہ پانچ سو کے قریب آدمی ان کے دستر خوان سے کھانا کھاتے اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن ان کے پاس رہتے تھے جن کے وظیفے مقرر تھے اسی طرح قال اللہ اور قال الرسول کا بہت ذکر ہوتا تھا اور پورے علاقہ میں اسلامی روایات کا دور دورہ تھا۔ اسی دوران سلطنت مغلیہ کا ایک وزیر غیاث الدولہ قادیان میں آیا اور قادیان کا اسلامی ماحول دیکھ کر چشم پر آب ہو گیا اور کہنے لگا "اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضرور یہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بد وضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جائے۔"

بلاشبہ مرزا گل محمد صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے اسلامی حکمران تھے اور باوجود اس کے کہ ان کے وقت ریاست قادیان کی عملداری صرف پچاسی گاؤں پر تھی لیکن ان دیہات کی سالانہ آمدنی سات سے آٹھ لاکھ تھی جو کہ اس زمانہ میں ایک بہت بڑی رقم تھی۔ اس وقت ریاست قادیان کا دفاع بھی نا قابل تسخیر تھا اور اس زمانہ کے حساب سے بہت مضبوط تھا چنانچہ قادیان ایک قلعہ کی صورت پر تھا، اس کے چار برج تھے جہاں فوجوں کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں۔ اس کی فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل پر جا سکتے تھے۔ اس کے ارد گرد خندق بھی تھی۔ اگر ظاہری طاقت کے ساتھ ساتھ قضاء و قدر کی موافقت بھی اس ریاست کو نصیب ہوتی تو ضرور تھا کہ ہندوستان کے شمال مشرق سے ایک اسلامی سلطنت کا احیاء ہوتا چنانچہ اگر رنجیت سنگھ محض نو گاؤں کی پدری ملکیت سے پشاور سے لدھیانہ تک ایک عظیم سلطنت قائم کر سکتا تو کیوں مرزا گل محمد صاحب سکھوں کی شورش کا مقابلہ نہ کر پاتے کہ جن کے پاس اس زمانہ کے لحاظ سے ہر چیز موجود تھی، مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

یہ 1802 یا 1803 کا سال تھا کہ مرزا گل محمد صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مرزا عطا محمد صاحب کے زمانہ میں حکمت الٰہی کی بدولت ریاست قادیان کے مقابل پر سکھوں کی شورش کامیاب ہوئی اور انہیں غلبہ حاصل ہو گیا۔ اس غلبہ کے ساتھ ہی قادیان پر سقوط بغداد جیسی تباہی آئی چنانچہ قادیان

کا سب مال ومتاع لوٹ لیا گیا، مسجدیں مسمار کر دی گئیں اور بعض کا دھرم سالہ بنا دیا گیا اور رؤسائے ریاست کو بیگووال ریاست کپور تھلہ میں جلاوطن کر دیا گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد مرزا عطا محمد صاحب کو زہر دے دیا گیا۔

اس خاندان کے افراد تیس سال سے کچھ زائد عرصہ جلاوطن رہے آخر رنجیت سنگھ نے اس خاندان کی جلاوطنی ختم کی اور 1834ء یا 1835ء میں مرزا عطا محمد صاحب کے فرزند حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کو قادیان داخلہ کی اجازت دے دی اور ان کی عملداری میں 5 گاؤں دے دیئے اور جب پنجاب پر انگریز کا تسلط ہوا تو اس وقت یہ پانچ گاؤں بھی ان سے واپس لے لئے گئے اور اس کی جگہ ان کو سات سو روپیہ کی پنشن مقرر کر دی گئی۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام صفحہ 128 تا 130، کتاب البریہ حاشیہ صفحہ 158 تا 177، حیات النبی صفحہ 21-22، تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ 31 تا 43)

قادیان کی ریاست 1530ء سے 1802ء تک قائم رہی اور سکھوں کے پے در پے حملوں کے نتیجہ میں اس کی تباہی کے بعد قادیان کی گمنامی کا دور شروع ہوا اور قادیان آہستہ آہستہ گوشۂ گمنامی میں مستور، دنیا سے دور ہوتا چلا گیا۔

اس کے گلی بازار سنسان ہو گئے اور عمدہ مکانات کی جگہ کھنڈرات نے لے لی اور وہ خندق جو کہ قادیان کی حفاظت کے لئے کھودی گئی تھی اس کی جگہ ایک بدبودار ڈھاب نے لے لی اور قادیان چونکہ نشیب پر تھا جب کبھی برسات ہوتی تو یہ ڈھاب لبالب کئی کئی دن بھری رہتی اور اس گندے جوہڑ کی وجہ سے علاقہ مکینوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی اور ان حالات میں اس کا رابطہ بیرونی دنیا سے منقطع رہتا۔ اور ایک وقت تو اس پر ایسا تھا کہ یہ ایک مستقل ریاست کا صدر مقام تھا پھر اس پر ایک وقت ایسا آیا کہ اس سے دور رہنے والے تو درکنار اس کے آس پاس کے دیہات میں رہنے والوں سے بھی کوئی نہ جانتا تھا کہ قادیان نامی کوئی جگہ بھی اس روئے زمین پر ہے۔ دنیا سے اس دوری کی وجہ سے جہالت کا دور دورہ شروع ہو گیا اور جہاں کبھی علماء اور فضلاء کا ایک حلقہ بنا رہتا تھا وہاں لکھنا پڑھنا جاننے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔

قادیان پر یہ گمنامی کا دور دورہ تھا کہ اس گمنام بستی سے دنیا نے ایک پکار سنی۔ یہ پکار کیا تھی؟ یہ ایسی پکار تھی کہ جس کی نوید حضرت مخبر صادق رسول کریم ﷺ نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خبر دیتے ہوئے سنائی تھی کہ "تمہاری حالت کیسی ہو گی جب ابن مریم (یعنی مثیل مسیحؑ) مبعوث ہو گا جو تمہارا امام ہو گا اور تم میں سے ہو گا" (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم)

چودھویں صدی کے آغاز میں قادیان سے آنے والی یہ پکار ایک ایسے منادی کی تھی کہ جو کہہ رہا تھا کہ خدا نے اسے کہا ہے کہ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ۔ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ، قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(روحانی خزائن جلد 1 براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در حاشیہ ص 265)

"یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھایا اور اس کے صحیح معنی تیرے پر کھول دیئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ تا ان لوگوں کو بد انجام سے ڈراوے کہ جو بباعث پشت در پشت کی غفلت اور متنبہ کئے جانے کے غلطیوں میں پڑ گئے اور تا ان مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے ان کو کہہ کہ میں مامور من اللہ اور اول المومنین ہوں۔" (روحانی خزائن جلد 13 کتاب البریہ ص 201 تا 202)

یہ پکار حضرت مسیح پاک و مہدی دوراں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی جن کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت خاتم الانبیاء، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مامور ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنانے والا ہے اور ان کے ذریعہ اسلام کو وہ غلبہ حاصل ہو گا جس کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے قائم

باقی صفحہ 28 پر ملاحظہ فرمائیں

سائنس اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

سمت پذیری اور اس کی اہمیت

(راشد مبشر طلحہ۔یوکے)

موجودہ سائنسی ترقی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہر چیز کو مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر ایک تھیوری کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس طرح نہ صرف اس کی تصدیق یا تردید کی جاتی ہے بلکہ آئندہ کے لئے مزید تحقیق کی راہیں بھی کھلتی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ چند صدیوں میں اس مشتر کہ سائنسی کوشش کی وجہ سے بہت سی نئی دریافتیں ہوئی ہیں اور بہت سے نئے اور حیرت انگیز حقائق ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک معمہ ہماری کائنات میں سمت پذیری یعنی chirality کا ہے۔ اور اس کی اہمیت 1848ء میں مشہور فرانسیسی سائنسدان لوئی پاسچر (Louis Pasteur) کے ذریعہ سے سائنسی علوم کا حصہ بنی۔ اس مضمون میں انشاء اللہ اس قدرتی عمل اور اس کے اسلامی تعلیمات کے ساتھ منفرد تعلق پر روشنی ڈالی جائے گی۔

سمت پذیری، جسے سائنسی اصطلاح میں chirality کہتے ہیں، مادہ کی ایک صفت ہے جس کی حامل اشیاء کو اگر پانی میں حل کیا جائے تو وہ تقطیب شدہ (polarised) روشنی کو دائیں طرف یا بائیں طرف گھماتی ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ کسی بھی عنصر یا مرکب کے مالیکیولز (molecules) خواہ دائیں طرف گھوم رہے ہوں یا بائیں طرف، ان کا ایک ہی فارمولا ہوتا ہے اور وہ کیمیائی اور طبعی صفات بھی بعینہٖ ایک ہی رکھتے ہیں۔ بظاہر دائیں بائیں کا فرق اور اس کی اہمیت ایک نہایت پیچیدہ اور روز مرہ کی زندگی سے دور کی بات معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت مادہ کی اس صفت کا ہماری زندگیوں پر بہت واضح اور گہرا اثر ہے۔ مثال کے طور پر اگر شکر کے مالیکیول کو سائنسی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی طور پر پایا جانے والا ہر مالیکیول دائیں طرف گردش کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل اگر مصنوعی طریقہ سے بائیں طرف گردش کرنے والے مالیکیول بنائے جائیں تو وہ ذائقہ، کیمیائی خصوصیات اور پکانے میں تو قدرتی شکر جیسے ہی ہوتے ہیں لیکن ہمارا نظام انہضام انہیں مکمل طور پر رد کر دیتا ہے اور ایک بھی مالیکیول ہضم نہیں کرتا۔ ایک ہی فارمولا ہونے کے باوجود انتہائی مختلف نتائج پیدا کرتا ہے۔ آخر قدرت ایک حصہ کو دوسرے پر کیوں ترجیح دے رہی ہے؟

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ یہ خاصیت، یعنی سمت پذیری اور دائیں بائیں کا فرق، قدرت میں ہر جگہ اور ہر شے میں کسی نہ کسی طور پر پایا جاتا ہے، جو کہ آگے مزید بیان ہوگا۔ چنانچہ یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ اسلامی تعلیمات میں بھی اس فرق اور دائیں اور بائیں کی اپنی اپنی اہمیت پر خاص زور دیا گیا ہے۔ سنتِ نبوی ﷺ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ ہر صاف ستھرا کام دائیں ہاتھ سے شروع فرماتے تھے اور ہر گندگی کے کام، مثلاً ناک کی صفائی وغیرہ ہمیشہ بائیں ہاتھ سے فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب الہام، عقل، علم اور سچائی میں اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے اور اسے ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"الہامی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ کسی اور کتاب میں انسانی زندگی کے حوالہ سے سمتوں کا ذکر موجود نہیں۔ جبکہ قرآن کریم میں مذکور دائیں، بائیں سمت کی اہمیت کا مطالعہ کر کے انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اور یہی رنگ آنحضور ﷺ کے قول و فعل میں نظر آتا ہے جہاں ایک مسلمان کی زندگی میں دائیں اور بائیں کے مخصوص کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہر صاف ستھرے کام میں دائیں ہاتھ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً کھانا کھانا، کوئی چیز دائیں طرف سے پیش کرنا اور دائیں ہاتھ سے کسی گندی چیز کو نہ چھونا جبکہ بائیں ہاتھ کا استعمال اس کے الٹ ہے۔" (الہام، عقل، علم اور سچائی صفحہ 298-299)

حضورؒ مزید اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"دائیں بائیں جیسے بظاہر معمولی اور چھوٹے امور کی مذہبی تعلیمات میں اس قدر اہمیت واقعی ایک حیران کن بات ہے لیکن جب ہم نظام قدرت میں ہر جگہ سمت کی اہمیت کو دیکھتے ہیں تو یہ معمہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ سیکولر سائنسدان کسی مدبر بالارادہ خالق کے قائل نہیں جس

نے نظام قدرت کی باضابطہ تشکیل کی ہو۔ تو پھر قدرت اور مذہب میں سمت کے لحاظ سے یہ حیران کن مشابہت کیسی؟ اگر ان کا سرچشمہ مشترک نہیں تو کیا اسے محض ایک اتفاق قرار دے کر مسترد کیا جاسکتا ہے؟"

(الہام، عقل، علم اور سچائی صفحہ 355)

فرمایا:"جب کسی مسلمان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہمیشہ دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے اور بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے۔ یہ ہدایات یونہی اتفاقاً نہیں دے دی گئیں بلکہ ان کی بہت باریک اور معین تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔ آپ ﷺ کی ہدایات اور ذاتی مثالوں کے حوالہ سے مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ وہ صاف ستھری چیزوں کو دائیں ہاتھ سے چوئیں جبکہ باقی کام بائیں ہاتھ کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔"

(الہام، عقل، علم اور سچائی صفحہ 363)

تاریخ سے ہمیں سمت پذیری کے بارہ میں ایک مشہور اور سبق آموز واقعہ معلوم ہوتا ہے۔1963ء میں ایک دواساز کمپنی نے حاملہ خواتین کو صبح کے وقت ہونے والی متلی کے علاج کے لئے ایک دوائی Thalidomide متعارف کرائی۔ لیکن اس دوائی کے استعمال سے بعض خواتین کو خطرناک پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے ان کے ہاں ایسے بچے پیدا ہوئے جو پیدائشی طور پر معذور تھے۔ جب اس دوائی اور اس کے اثرات پر دوبارہ گہری تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کمپنی نے لاعلمی میں ایک ہی فارمولے کی دو اقسام تیار کر دی تھیں جن کے مالیکیولز کی حرکت مخالف سمتوں میں تھی۔ ان میں سے ایک دوائی جنین پر مضر اثرات ڈالے بغیر مفید ثابت ہوئی جبکہ دوسری قسم متلی کے علاج کے بجائے خوفناک پیدائشی نقائص کا باعث بنی۔ غرض سمت پذیری کا علم اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اس کو مکمل طور پر توجہ نہ دینے سے انتہائی ہولناک حادثات پیش آسکتے ہیں۔

دائیں اور بائیں کی اس یک طرفہ ترجیح کا کئی طرح سے اظہار ہوتا ہے۔ اکثر انسان دائیں ہاتھ سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح دل اور جگر سوائے بعض مستثنیات کے بالترتیب بائیں اور دائیں طرف ہیں۔ رسالہ Scientific American (مطبوعہ جنوری 1990ء) کے ایک مضمون 'The Handedness of Universe' میں ایسی کئی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن میں قدرت نے بغیر کسی ظاہری وجہ کے کبھی دائیں کو بائیں پر اور کبھی بائیں کو دائیں پر ترجیح دی ہے۔ اس بات کو جاننے کے باوجود دنیا میں بہت سے لوگ دائیں ہاتھ سے کام لیتے ہیں مصنفین اس کی کوئی وجہ تلاش نہیں کر سکے۔ کیا وجہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے کام لینے والوں اور بائیں ہاتھ

ایک ہی امینو ایسڈ کے دو ہم ترکیب مولیکیولز
جن کی سمت پذیری الٹ ہے

سے کام لینے والوں کی تعداد برابر نہیں؟ یہ تو صرف چند مثالیں ہیں ورنہ ارتقا کی ہر سطح پر ہمیں زندگی کے مالیکیولز کی اس گردش کے بارہ میں جو ترجیح ہے اُس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن کے مطالعہ سے انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ اور یہ سب اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ایک باشعور، حکیم اور بالاتر ہستی ضرور موجود ہے جس نے ارتقا کے ہر موڑ پر درست فیصلے کئے اور ہمیشہ انسانوں کی جسمانی اور روحانی ترقی کے سامان پیدا کئے۔ چنانچہ قدرت کی ہر دوسری شے کی طرح مادہ کی یہ خصوصیت بھی وجود ہستی باری تعالیٰ اور اس کے ذریعہ صداقتِ اسلام کا واضح ثبوت ہے۔

مختصر یہ کہ روزمرہ کی زندگی میں سمت کا تعین اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتا ہے کہ انسان اس ترقی یافتہ دور میں داخل ہونے والا ہے جس میں سمت کے گہرے معانی کھلیں گے۔ چنانچہ آج ہم یہی دیکھ رہے ہیں اور physics اور chemistry میں ہونے والی نئی نئی دریافتیں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اب بطور واقفِ نو ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم ان قرآنی تعلیمات اور اسلامی عقائد کی بنیاد پر مزید تحقیق کریں تاکہ ان علوم کے ذریعہ سائنسی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے عالم الغیب ہونے کو کھول کر ثابت کر سکیں۔ یوں ہم اپنے وقف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کا مصداق بننے کی توفیق پائیں کہ "میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔"

(تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 409،410)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(تصویر: Wikipedia)

☆...☆...☆

واقعۂ کربلا

(جمیل احمد بٹ)

واقعۂ کربلا 10/ محرم 61ھ (بمطابق 682ء) کو ہوا۔ اس اندوہناک حادثہ میں نواسۂ رسول ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ 57 سال کی عمر میں اپنے رفقاء اور اعزّہ کے ہم راہ ایک ایسی جمعیت کے ہاتھوں شہید ہوگئے جو سب مسلمان تھے اور اس وقت کے مسلمان حکمران یزید کے حکم بردار۔

پس منظر

وہ شورش جس کا انجام یہ واقعۂ شہادت ہوا اس کی ابتدا تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے چھٹے سال میں ہوئی تھی۔

اسلام جو ایک کمزور مذہبی تحریک کی شکل میں مکہ سے ظاہر ہوا تھا اور جسے 13 سال کی عمر میں انتہائی کسمپرسی کی حالت میں مکہ سے جلاوطن ہونا پڑا تھا خدائی تقدیر کے تحت چند سالوں بعد ہی فتح مکہ کے نتیجہ میں ایک نمایاں سیاسی طاقت کی شکل اختیار کر گیا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادوارِ خلافت میں اس طاقت میں اتنا اضافہ ہوا کہ اس نے آس پاس کی تمام بڑی حکومتوں کا خاتمہ کر دیا۔

اسلام کے اس غلبہ کے لازمی نتیجہ کے طور پر جہاں ایک بڑی تعداد میں دیگر عرب اور غیر عرب مسلمان ہوئے وہیں دیگر مخالف مذاہب اور حکومتوں کو اس بڑھتی ہوئی طاقت کو سنجیدگی سے لینا پڑا اور مخالفانہ منصوبہ بندی کا ایک بازار گرم ہو گیا۔ نئے نئے مسلمان ہونے والے اپنی مناسب تربیت کا سامان نہ ہونے کے سبب بڑی آسانی سے ان مخالف طاقتوں کا آلۂ کار بن گئے۔ اسلام کی طاقت کا راز نظامِ خلافت تھا۔ یہ حقیقت دشمن سے اوجھل نہ تھی۔ اس لیے سازشوں کا نشانہ نمایاں طور پر بظاہر خلیفۂ وقت کا وجود لیکن درپردہ خلافت کا ادارہ تھا۔

مقامِ خلافت پر پہلا حملہ

خلیفۂ وقت کی ذات کو ایک عام سطح پر رکھ کر اعتراض کا نشانہ بنانے کا ایک واقعہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہی ہوا جب آپ کے لباس پر برملا نکتہ چینی کی گئی اور سننے والوں نے کوئی ردعمل نہ دکھایا۔ لیکن یہ دور جنگوں کا تھا۔ اس میں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نصف دورِ خلافت تک دشمنوں سے محاذ آرائی نے ایک ایسا ماحول پیدا کر رکھا تھا جس میں تمام تر توجہات کا مرکز یہ حالتِ جنگ تھی۔ اس لیے یہ واقعہ محض ایک انفرادی گستاخی سے زائد کچھ نہ بن سکا۔ لیکن بعد میں حالتِ امن، خوشحالی اور غیر تربیت یافتہ مسلمان بھیڑ نے اس راہ پر مزید لوگوں کا چلنا آسان کر دیا۔

حضرت عثمانؓ سے مطالبہ عزل

دشمنوں کا آلۂ کار بن کر کچھ مفاد پرستوں نے تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراضات کی بھرمار کر دی اور اس بات کو یہاں تک بڑھایا کہ ان سے معزولی کا مطالبہ کر دیا۔ یہ جڑ کاٹ دینے والی بات تھی۔ اسلام کی زندگی نظامِ خلافت میں تھی اس لیے خلیفۂ وقت نے بجا طور پر پورے استقلال سے اس مطالبہ کو رڈ کر دیا۔ حالات مزید بگڑ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوئے۔

حضرت علیؓ کی مخالفت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بارِ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر آن پڑا۔ نظام کو ایک دھکا تو لگ ہی چکا تھا۔ دشمنوں نے اس کو بالکل ختم کرنے کی ٹھان لی۔ وہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے اصل ذمہ دار تھے بھیس بدل کر ان کی شہادت کا بدلہ لینے کے دعویدار بن گئے۔ ان سب سازشوں کا مرکزی کردار ایک یہودی منافق عبد اللہ بن سبا تھا۔ سازشیوں نے اس حادثہ میں بزرگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ملوث کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام بھی ذمہ داروں میں گننے لگے۔

یہ سب الزام تراشی محض جھوٹ تھی۔ کوئی صحابیٔ رسول ﷺ اس سازش میں شریک نہ تھا اور ہو بھی نہ سکتا تھا۔ وہ جنہوں نے دامنِ رسول ﷺ میں تربیت پائی ہو ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب صحابہؓ نے بے مثال فدائیت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی روشن مثال ہیں اور حضرت علیؓ نے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کی خاطر

اپنے بیٹوں حسن اور حسین رضوان اللہ علیہم تک کو مامور کر رکھا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس بات کے لیے دباؤ ڈالا جانے لگا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص لیں اور ان تمام بزرگ صحابہؓ کو سزا وار ٹھہرائیں جن کو یہ منافق ملزم کر رہے تھے۔ اس ناجائز مطالبہ کا ماننا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ممکن نہ تھا۔ اور نتیجہ میں افتراق کی لکیر بڑھ کر شگاف ہو گئی۔

وہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے اپنے آپ کو شیعانِ علی (علی کے دوست) کہلانے لگے اور یوں اسلام میں سیاست کی خاطر فرقہ بازی کی بنیاد پڑی۔ مسلمان باہم دست و گریبان ہو گئے۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین ایسی جنگیں تھیں جن میں دونوں طرف مسلمان تھے۔ پھر خوارج ظاہر ہوئے جو علی الاعلان خلافت کے خاتمہ کے داعی تھے اور انجام کار ایک خارجی کے ہاتھوں ہی خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی بیعت لی۔ تاہم انہوں نے اختلاف اور افتراق کے ماحول کو امن سے بدل دینے کی شدید خواہش کے تحت یہ انتہائی قدم بھی اٹھالیا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔

خلافت سے بادشاہت

حضرت امام حسنؓ کے دست برداری کے اس فیصلہ کے نتیجہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پہلے ہی شام اور مصر کے گورنر تھے پوری مسلم حکومت کے سربراہ بن گئے۔ حکومت کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے انہوں نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو نامزد کر دیا۔ گویہ طریقِ انتخاب نیا نہ تھا لیکن جو بات نئی ہوئی وہ یہ تھی کہ یزید اس منصب کا اہل نہ تھا اور نیکی اور راستبازی کے لحاظ سے انتہائی پست درجہ پر تھا۔ اس بااختیار منصب پر ایک نااہل فرد کا تقرر اپنے دامن میں ان تمام خرابیوں کو لے کر آیا جو بادشاہت کا لازمہ ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجا طور پر اس نظام کا حصہ بننے سے انکار کر دیا اور یزید کی بیعت نہ کی۔ اور یوں اس تنازعہ کی ابتدا ہوئی جس کا انجام آپؓ کی شہادت ہوا۔

حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ کے طرزِ عمل کا فرق

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل کا یہ فرق بعض کے نزدیک محل اعتراض ہے تاہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور حکم و عدل اس بارے میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ

"ہم تو دونوں کے ثناء خواں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جدا جدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں۔ انہوں نے امن پسندی کو مدِ نظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیوں کہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونوں کی نیت نیک تھی۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 580، ایڈیشن 1988ء)

حالاتِ جنگ

مدینہ سے حضرت امام حسینؓ کے کوفہ کے لیے عازمِ سفر ہونے کی وجوہات، حالاتِ سفر اور کربلا میں پیش آنے والے واقعات ایسے موضوع ہیں جن پر یوں تو تفاصیل کے انبار جمع ہیں اور ذاکر سارا سال انہیں بیان کرتے نہیں تھکتے لیکن ان میں اصل واقعات کتنے ہیں اور اضافے کس قدر، اس کا انتخاب بڑا دقت طلب ہے۔ یہ ایذادیاں دونوں طرف سے کی گئیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زائد تعلق جتانے والوں

نے ان کی مظلومیت کو دوچند کرنے کے لیے اور مخالفین نے اس جھگڑے کو سیاسی رنگ دینے کے لیے۔ یہی رنگ آمیزیاں تھیں جنہوں نے ان دو انتہاؤں کو جنم دیا کہ ایک طرف تو واقعۂ کربلا اسلام کا مقصد اور نجات کا ذریعہ ٹھہرا دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی اور یزید کو ہر قسم کے تعظیمی کلمات کا مستحق بھی لکھا گیا۔

معرکہ حق و باطل

ان دو انتہاؤں کے درمیان اصل حقیقت اتنی ہی ہے کہ یہ حق و باطل کی ایک جنگ تھی۔ جس میں حق حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا کیونکہ وہ ساری علامات ان میں پائی جاتی تھیں جو حق کی علامات ہیں جیسے:

اقلیت میں ہونا

حضرت امام حسینؓ کے ساتھ محض چند ساتھی تھے اور آپ کا سامنا حکومتی لشکر سے تھا۔ روحانی معاملات میں ایک وقت ہوتا ہے کہ جب اقلیت حق پر ہوتی ہے جبکہ اکثریت اس کی مخالفت کرتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ (یوسف:104)

ترجمہ: اور اکثر انسان، خواہ تو کتنا ہی چاہے، ایمان لانے والے نہیں بنیں گے۔

فتوئ کفر و وجوبِ قتل

بد قسمتی سے اس معرکہ میں وقت کے مفتی دنیا کی خاطر اپنے فتاویٰ کے ساتھ حق کے خلاف اور ظالم حکومت کے مددگار تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ

''حضرت سیّد الشہداء... کے قتل کے محضر پر دربارِ بنی امیہ کے ایک سو قاضیوں اور مفتیوں کی مہریں لگی تھیں اور سرِ فہرست قاضی شریح کا نام تھا۔ کہتے ہیں کہ بصرے کے گورنر ابن زیاد نے قاضی شریح کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ آپ حسینؓ بن علیؓ کے قتل کا فتویٰ صادر کریں۔ قاضی شریح نے انکار کیا اور اپنا قلمدان اپنے سر پر دے مارا...... اور اُٹھ کر اپنے گھر چلا گیا جب رات ہوئی تو ابنِ زیاد نے چند تھیلیاں زَر کی اس کے لئے بھیج دیں۔ صبح ہوئی شریح ابنِ زیاد کے پاس آیا تو ابنِ زیاد نے پھر وہی گفتگو شروع کی۔ قاضی شریح نے کہا کہ کل رات مَیں نے قتلِ حسین پر بہت غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کا قتل کر دینا واجب ہے چونکہ انہوں نے خلیفۂ وقت پر خروج کیا ہے، لہٰذا بربنائے دفع مفسدہ و خارجی یہ لازم ہے۔ پھر قلم اٹھایا اور فرزندِ رسول ﷺ کے قتل کا فیصلہ اس مضمون کا لکھا: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے نزدیک ثابت ہو گیا ہے حسین ابنِ علی دینِ رسول ﷺ سے خارج ہو گیا ہے لہٰذا وہ واجب القتل ہے۔''

(جواہر الکلام از آقائی حاجی مرزا حسن صفحہ 88 مطبوعہ 1323ھ مطبع علمی تبریز ایران)

طاقتور دشمن اور عافیت کوش عوام

حکومت سیاست کار مفتیوں کی حمایت کے ساتھ حضرت امام حسینؓ کی مخالف تھی اور اس طاقتور دشمن سے خائف وہ عام مسلمان جو خواہ دل میں حضرت حسینؓ کے حامی ہوں، عملاً کچھ کرنے کے روادار نہ تھے۔ یہ بھی حق پر ہونے والی جماعتوں میں عام ہے۔ خواہ رومی حکومت اور یہودی فریسیوں کا گٹھ جوڑ ہو یا سردارانِ قریش اور خانہ کعبہ کے متولیوں کا اکٹھ۔ سچ کو ہمیشہ اپنی کمزور حالت کے ساتھ بڑے دشمنوں اور طاقت کے سامنے سرنگوں عوام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بے خوفی اور بے جگری کے ساتھ مال و جان کی قربانی

ان مخالف حالات میں نتیجہ مال و جان کی قربانی کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سولی پر لٹکائے گئے اور اوّلین مسلمانوں کو کفارِ مکہ کے مظالم سہہ کر تکالیف اٹھانی اور جانیں دینی پڑیں۔ حضرت امام حسینؓ کے وقت بھی ایسا ہی پیش آیا اور بجز ایک کے سب ہم راہی مردوں کو راہِ حق میں قربان ہونا پڑا۔

انجام کار کامیابی

اس سب کا نتیجہ بھی ہمیشہ کی طرح نکلا، ریاست کی طاقت، فریسیوں اور مفتیوں کی دین فروشی، جمہور کا منافقانہ طور پر چپ سادھ رہنا سب رائیگاں گیا۔ اپنے وقت کے یہ سب زندہ اور طاقتور ہمیشہ کے لیے موت کے اندھیروں میں ڈوب گئے اور وہ جو خاک و خون میں لتھیڑے گئے، ہمیشہ کی زندگی پا گئے۔ آج کوئی نہیں جو اپنے آپ کو ان ظالموں سے منسوب کرتا ہو جبکہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے زندہ ہونے پر زمانہ گواہ ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

حضرت امام حسینؓ کا عالی مرتبہ

حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ہم حضرت امام حسینؓ کو بزرگ گردانتے ہیں جیسے کہ فرمایا:

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آلِ محمدؐ است

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 645)

میرے جان و دل محمد ﷺ کے جمال پر فدا ہیں اور میری خاک آلِ محمد ﷺ کے کوچے پر قربان ہے۔

(ترجمہ از حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ)

فرمایا: "حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہّ کینہ رکھنا اس سے موجب سلبِ ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبتِ الٰہی اور صبر و استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے... تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے... یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں... دنیا کی آنکھ وہ شناخت نہیں کر سکتی... یہی وجہ حسینؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانے میں محبت کی تا حسینؓ سے محبت کی جاتی۔"

(مجموعۂ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 654)

حضرت امام حسینؓ کی یاد

تاہم ان کی یاد کو منانے کے لیے سینہ کوبی، مرثیہ گوئی، ماتم، تعزیے، نذر و نیاز کو ہم درست دینی تعلیم سے ماورا، وقتی اور آسان راہ جانتے ہیں۔ اور ان کی جگہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد منانے کا بہترین طریق ان کے اسوہ کی پیروی گردانتے ہیں بلکہ آج جماعت احمدیہ ہی ہے جو اس قربانی کو عملاً زندہ کیے ہوئے ہے۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے ہر آن مال، وقت اور عزت کی قربانیاں دیتے چلے جانا اور جب وقت پڑے تو اسی استقامت سے جان بھی نذر کر دینا ہماری روشن و تابندہ روایت ہے۔ اسی طرح سچائی پر قائم رہنے کے جرم پر مقدمات اور قید و بند کی صعوبتوں کو پوری ہمت اور بہادری سے برداشت کرتے چلے جانے کی مثالوں سے تاریخ احمدیت بھری پڑی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ سچائی کی راہ کٹھن ہوتی ہے اور حق کے لیے قربانی دینے کو تیار اور آمادہ رہنا ہی اس کا تقاضا ہے جیسا کہ ہمیں یہ درس دیا گیا ہے۔

یہ عشق و وفا کے کھیت کبھی خوں سینچے بغیر نہ پنپیں گے

واقعۂ کربلا کے سبق

اس واقعہ سے ہم جو سبق سیکھتے ہیں وہ ظاہر طور پر دو ہیں:

پہلا سبق۔ جادۂ حق میں استقامت

حق اور سچائی کی خاطر مشکلات و مصائب کو پوری استقامت اور استقلال سے برداشت کرنا اور اس کی خاطر جان سمیت ہر شے کو قربان کرنے کے لیے آمادہ اور تیار رہنا واقعۂ کربلا کا پہلا سبق ہے۔ یہ ظلم و زیادتی جماعت کا مقسوم تھی جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت امام حسینؓ کے حوالے سے یوں فرمایا:

کربلائے است سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 477)

میری ہر آن کی سیر ایک کربلا ہے، سینکڑوں حسینؓ میرے گریبان کے اندر ہیں۔

(ترجمہ از حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ)

ظاہر بین نگاہوں نے اس شعر کو محلِ اعتراض جانا ہے جبکہ اصل میں تو یہ دین کی محبت میں تڑپتے دل کی اس راہ میں درپیش مشکلات و مصائب کی اس کیفیت کا اظہار تھا جس میں حضرت مسیح موعودؑ کے شب و روز گزرے۔ ساتھ ہی اس میں یہ پیش خبری تھی کہ آپ کی جماعت کو بھی بار بار کربلا کے سے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا اور آپ کے سینکڑوں ماننے والوں کو حضرت امام حسینؓ کے سے انجام سے دوچار ہونا ہو گا۔

پس اس واقعہ کا پہلا سبق نامساعد حالات پر کامل استقامت دکھانا اور ہر قسم کی قربانیاں کرتے چلے جانا ہے۔

آنے والی کل ہماری ہے

ضمنی طور پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آج کربلا کی تاریخ گویا اپنے آپ کو پھر دہرا رہی ہے۔ ویسی ہی نا منصف ریاست ہے۔ وہی حکومت اور مولوی کا گٹھ جوڑ ہے۔ قانون اسی طرح بے توقیر ہے۔ منصف اسی طرح کمزور اور ہوا کے رخ پر چلنے والے ہیں اور جمہور اسی طرح بے آواز اور بے جان کٹھ پتلیوں کی مانند ہیں۔ یہ سب جب یکساں ہے تو نتیجہ کیوں پہلے سے مختلف ہو گا؟ یقیناً پہلے کی طرح اب بھی آنے والی کل آج کے ہم مظلوموں کی ہو گی۔ انشاء اللہ

سچ یہی ہے کہ حق کے سفر کی راہ میں خواہ کربلا ہو، کابل ہو، چک سکندر ہو یا لاہور کے خانۂ خدا دارالذکر اور بیت النور، یہ سب وہ سنگِ میل ہیں جن کے دوسرے سرے پر ہمیشہ روشنی اور نور اور اجالا اور صبح ہوتی ہے۔

دوسرا اور سب سے اہم سبق۔ خلافت کی حفاظت

دوسرے اس واقعہ تک تاریخ کے سفر میں نعمتِ خلافت کی ناقدری

باقی صفحہ 28 پر ملاحظہ فرمائیں

ہمارا چاند قرآں ہے

مکرمہ نسیم مرزا

تیرا یہ سب کرم ہے تو رحمت اتم ہے
کیوں کر ہو حمد تیری کب طاقت قلم ہے

اس لاک ڈاؤن کے دوران جب کہ تمام دنیا کی قومیں، کمپنیاں اور ادارے مالی لحاظ سے انتہائی کمزور ہو گئے ہیں وہاں ہمارے احمدی احباب روحانی دولت سے مالا مال ہو گئے ہیں۔

سب سے زیادہ فائدہ ہمارے زیر تعلیم چھوٹے بچوں کو پہنچا۔ تعلیمی ادارے بند ہو جانے کی وجہ سے ان کے پاس بہت سا وقت بچ گیا۔ چونکہ ہر گھر مسجد بن چکا تھا تو زیادہ توجہ بچوں کی دینی تعلیم و تربیت پر دی گئی۔ قرآن کریم کی تعلیم کتنی اہمیت کی حامل ہے؟حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن ، اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر حضرت محمد مصطفٰے ﷺ۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد ﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لیے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے۔"(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13)

والدین نے یہ لاک ڈاؤن کا وقت دنیاوی کاموں میں مشغول ہونے کی بجائے اسے اپنے بچوں پر صرف کیا۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ بچے جو ابھی قاعدہ یسرنا القرآن پڑھ رہے تھے اور توقع یہی تھی کہ قرآن کا پہلا دور مکمل کرنے میں سال یا اس سے بھی زیادہ لگے گا انہوں نے رمضان المبارک کے دوران ہی قرآن کریم کا دور مکمل کر لیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

صرف یہی نہیں بلکہ اذان، جماعتی منظوم کلام، بہت سی قرآنی آیات اور سورتیں بھی زبانی یاد کر لیں۔

ہر احمدی گھرانے کی یہی صورتحال ہے۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے گھرانے میں 5 بچوں نے قرآن کریم کا دور مکمل کیا جن کی عمریں پانچ سال سے آٹھ سال کے درمیان ہیں۔ دعا کی غرض سے بچوں کے اسماء لکھے جا رہے ہیں:

1۔ عزیزہ نائلہ نور بنت مکرم نور الزماں صاحب
2۔ عزیزم شرجیل احمد ابن مکرم سرمد احمد صاحب مربی سلسلہ
3۔ عزیزم ثمر احمد ابن مکرم مرزا نصر احمد صاحب
4۔ عزیزم حسان لبیب احمد ابن مکرم مرزا فرخ احمد صاحب واقف زندگی
5۔ عزیزم ارمغان احمد ابن مکرم منصور احمد ضیاء صاحب مربی سلسلہ

تو نے سکھایا فرقاں جو ہے مدار ایماں
جس سے ملے ہے عرفاں اور دور ہووے شیطاں
یہ سب ہے تیرا احساں تجھ پر نثار ہو جاں
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو قرآن پاک کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اپنے بے شمار فضلوں سے نوازے، دین و دنیا کی سب بھلائیاں اور برکات عطاء فرمائے اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلاتا رہے اور صحت و عافیت سے رکھے۔ آمین

کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت

☆...☆...☆

اُردُو محاورات

محاورہ کے بارہ میں یہ بات یاد رکھیں کہ یہ مصدر کی شکل میں ہوتا ہے جسے مختلف افعال میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ مثلاً: "عید کا چاند ہونا"۔ اسے فاعل یا فعل کے لحاظ سے تبدیل کر سکتے ہیں، جیسے: وہ عید کا چاند ہو گیا ہے، تم عید کا چاند ہو گئے ہو … وغیرہ۔ کہاوت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔ کہاوت کے الفاظ من و عن استعمال ہوتے ہیں۔

محاورہ: رونگٹے کھڑے ہونا

معنی: خوفزدہ ہونا

استعمال: **حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:**

توحید کے قیام کے لئے جو سب سے اہم کام ہے اور جو انسان کا مقصد پیدائش ہے یعنی عبادت کرنا اور نمازوں کی حفاظت کرنا اس کی طرف پوری توجہ نہیں دی جاتی۔ پس بڑا خوف کا مقام ہے کہ ہمارے میں سے کسی ایک کی بھی کمزوری اسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق نہ بنادے کہ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ (ھود:47) کہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ (ھود:47) کہ یقیناً اس کے عمل غیر صالح ہیں۔ اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے، کبھی کسی بیعت میں شامل ہونے والے کا مقام خدا تعالیٰ کی نظر میں ایسا ہو۔ اس بات سے، خوف سے ہمارے **رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہئیں**۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 06/ مارچ 2009ء)

محاورہ: ڈنکے کی چوٹ کہنا، اعلان کرنا

معنی: اعلانیہ کہنا

استعمال: **حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اللہ تعالیٰ کی صفت 'العزیز' کے حوالہ سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا اسوہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:**

پس یہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عزیز خدا کا اپنے ساتھ سلوک کا **ڈنکے کی چوٹ پر اعلان** اور اس اعلان کے بعد جو آپ نے مخالفین کو مخاطب کر کے فرمایا آپ کئی سال زندہ رہے اور چیلنج بھی دیا۔ کوئی مخالف آپؑ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکا اور کسی مخالف کا کوئی حربہ بھی آپؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ کیونکہ یہ اس سچے خدا کا آپؑ سے وعدہ تھا جو اپنے فضل سے جب اپنا انعام اتارتا ہے تو اس کے پھر بہترین نتائج بھی پیدا فرماتا ہے۔ اپنے غالب اور قوی ہونے کا ثبوت بھی دیتا ہے۔ آج دنیا میں جماعت احمدیہ کی ترقی انہی باتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19/ اکتوبر 2007ء)

محاورہ: دانت کھٹے کرنا

معنی: حریف کو شکست دینا

استعمال: **مدیر سیاست، مولانا سید حبیب صاحب نے لکھا:**

اُس وقت کے آریہ اور مسیحی مبلغ اسلام پر بے پناہ حملے کر رہے تھے اکے دکے جو عالم دین بھی کہیں موجود تھے وہ ناموس شریعت حقہ کے تحفظ میں مصروف ہو گئے مگر کوئی زیادہ کامیاب نہ ہوا۔ اس وقت مرزا غلام احمد صاحب میدان میں اترے اور انہوں نے مسیحی پادریوں اور آریہ اپدیشکوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونے کا تہیہ کر لیا … مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔

(تحریک قادیان، صفحہ 209)

محاورہ: خون پسینہ ایک کرنا

معنی: سخت محنت کرنا

استعمال: امتیاز راجیکی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

خدا تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں کی بے مایہ کاوشوں کو قبولیت عطا فرما کر امریکہ کے گلستانِ احمدیت میں آقائے پاک سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے قائم فرمودہ درخشاں ادارے "لنگر مسیح موعودؑ" کا بیج بویا اور اپنے کمزور وناتواں بندوں کو توفیق دی کہ وہ اپنا تن من دھن نچھاور کر کے اور **خون پسینہ ایک کر کے** اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرتے ہوئے اسے ایک مضبوط درخت میں ڈھلتے ہوئے دیکھیں۔

☆…☆…☆

تعلیم الاسلام ہائی سکول

(مرزا دانیال احمد)

پس منظر

1898ء میں قادیان میں صرف دو سکول تھے۔ایک سرکاری سکول جولوئر پرائمری تک تھا۔اوردوسرا آریہ سکول تھا۔سرکاری سکول کا ہیڈماسٹر آریہ تھا۔مسلمانوں کے بچوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام پر برملاحملے کرتا تھا۔حضرت صاحبزادہ مرزابشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا بیان ہے کہ

"اس پرائمری سکول میں مَیں بھی کچھ عرصہ پڑھاہوں...ایک دن جب میرا کھانا آیا جس میں کلیجی کا سالن تھاتو اسے دیکھ کرایک طالب علم نے حیرانی سے اپنی انگلی دانتوں میں دبائی اور کہا یہ توماس ہے جس کا کھانا حرام ہے۔"

جب سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؑ نے فرمایا کہ اب ہمارے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ ہم ایک اسلامی سکول کھولیں۔

درس گاہ کے لئے تحریک

حضرت مسیح موعودؑ نے 15 ستمبر 1897ء کو ایک اسلامی درس گاہ کے قیام کی بذریعہ اشتہار تحریک فرمائی۔

چنانچہ حضورؑ نے تحریر فرمایا:

"اگرچہ ہم دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں کہ لوگ اس سچے معبود پر ایمان لاویں جس پر ایمان لانے سے نور ملتاہے اور نجات حاصل ہوتی ہے لیکن اس مقصد تک پہنچانے کے لئے علاوہ اُن طریقوں کے جو استعمال کئے جاتے ہیں ایک اور طریق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو کر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازمی ٹھہرائی جائیں جن کے پڑھنے سے ان کو پتہ لگے کہ اسلام کیا شے ہے اور کیا کیاخوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔"

اس کے انتظامی امور پر سوچنے کے لئے حضورؑ نے ایک کمیٹی مقرر کی۔جس کے صدر حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحب بھیرویؓ تھے۔اس کمیٹی کا پہلا اجلاس 27دسمبر 1897ء کو منعقد ہوا۔کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ سکول یکم جنوری1898ء کو کھول دیا جائے۔

لیکن بعض مجبوریوں کے باعث اس کا افتتاح 3/جنوری 1898ء کو ہوا۔حضور علیہ السلام نے اس مدرسہ کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ

"ہماری غرض مدرسہ کے اجراسے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے۔مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا ہے۔تاکہ یہ علوم خادم دین ہوں۔"

آغاز میں کوئی خاص عمارت نہ تھی۔1899-1900 میں مزید عمارت بنوائی گئی۔حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ قادیان ہجرت کرکے تشریف لائے تو حضور نے مدرسہ کا پورا انتظام ان کے سپرد کردیا۔پانچ سال تک آپ نے یہ خدمت بڑی خوش دلی سے انجام دی۔مدرسہ کو ضروری فرنیچر فراہم کی۔

اس مدرسہ کے پہلے ہیڈ ماسٹر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب تھے۔اور ابتدائی اساتذہ بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانی نو مسلم ومولوی فضل دین صاحب وغیرہ تھے۔حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں طلباء کی تعداد 220 تک پہنچ گئی تھی۔

پرائمری سکول سے کالج تک

مدرسہ تعلیم الاسلام نے جو اپنی ابتدائی شکل میں پرائمری کی صورت میں شروع ہوا خدا کے فضل سے چند سالوں کے اندر اندر بڑی ترقی کی۔چنانچہ 1898ء میں وہ مڈل سکول بنا۔فروری 1900ء میں اس کو ہائی سکول کا درجہ دے دیا گیا۔اور مئی 1903ء میں کالج تک پہنچ گیا۔

(ماخذ از تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 1تا5)

کالج کا افتتاح

"تعلیم الاسلام کالج کا افتتاح 15 مئی 1903ء کو قرار پایا تھا۔مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ناسازیٔ طبع کے باعث 28 مئی 1903ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔یہ موجودہ دنیا میں غالباً پہلا کالج تھا جس کی افتتاحی تقریب میں ہر قسم کی عرفی رسومات سے بالکل منزہ تھی۔اس موقع پر اگر کالج کی طرف سے حکام کو دعوت دی جاتی تو وہ ضرور شریک ہوتے۔مگر ایک ایسے مذہبی کالج کے افتتاح پر جس کے قیام کے واحد غرض اسلامی عظمت اور مذہبی تعلیم کی اشاعت ہے حکام کی شمولیت محض تکلف سمجھی گئی۔چنانچہ نہ اس میں دعوت کے کارڈ جاری ہوئے نہ اس میں کسی پارٹی کا اہتمام کیا گیا بلکہ سیدھے سادھے طریق پر محض دعا کے لئے ایک جلسہ کا

Talimul Islam College, Qadian (former Talimul Islam High School, Qadian)

انتظام کیا گیا۔"

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 302)

"کالج میں کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔""تعلیم الاسلام کالج" دو سال تک برابر کامیابی سے چلتا رہا۔ اس کے نتائج بھی عمدہ تھے مگر حکومت کے کالج یونیورسٹی کمیشن کی کڑی شرائط کے باعث اسے بند کر دینا پڑا۔ تاہم حضرت امام الزمان علیہ السلام کی دعائیں قریباً چالیس سال بعد پھر رنگ لائیں۔1944ء میں قادیان میں ہی دوبارہ اجرا عمل میں آیا۔"

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 304)

تعلیم الاسلام ہائی سکول کی سعادت

تعلیم الاسلام ہائی سکول کو یہ سعادت حاصل ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب جیسی برگزیدہ شخصیات اس ادارہ کے قدیم طلباء میں شامل ہیں۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بھی اس ادارہ کے طالب علم رہے ہیں۔

رسالہ تعلیم الاسلام کا اجراء

جولائی 1906ء میں قادیان سے ایک اور رسالہ "تعلیم الاسلام" جاری ہوا۔ اس سے قبل یہاں سے تین رسائل "ریویو آف ریلجنز" (اردو، انگریزی)، طبیب حاذق، اور تشحیذ الاذہان نکل رہے تھے۔ اب ان کی تعداد چار ہو گئی۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ تھے اور یہ ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اہتمام سے شائع ہوتا تھا۔ رسالہ کی اصل غرض وغایت تفسیر قرآن تھی۔

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 472)

1906ء میں مدرسہ کی ضروریات بڑھ گئیں۔ اس کے لیے ساتھ ہی اور زمین خریدی گئی۔ جب یہ زمین بھی ناکافی ثابت ہوئی تو کمیٹی نے قادیان کے شمال میں ایک وسیع قطعہ اراضی خرید لیا۔ 15 جون 1912ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس کی بنیاد رکھی۔ 1913ء میں ہائی سکول جدید عمارت میں آ گیا۔ بعد ازاں 1944ء میں یہ عمارت تعلیم الاسلام کالج کو دے دی گئی۔ پھر نور ہسپتال کے ساتھ ایک جگہ پر ہائی سکول تعمیر کیا گیا۔ جو 1947ء تک قائم رہا۔ پھر اس کو چنیوٹ میں شفٹ کر دیا گیا۔ مارچ 1952ء کے نصف میں اس کو ربوہ میں منتقل کر دیا گیا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ

"تعلیم الاسلام کالج ایک وہ درسگاہ تھی جب تک جماعت کے پاس رہی اور خاص طور پر اس زمانہ کے لوگ جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور میں اس میں وقت گزارا کہ کس طرح ماں سے بڑھ کر اس درسگاہ نے ہمیں سنبھالا۔ پس اس درسگاہ کا یہ حق بنتا ہے کہ اس میں پڑھنے والے طلباء جنہوں نے اس کے نام پہ ایک ایسوسی ایشن قائم کی ہے اس کی لاج رکھتے ہوئے جو بھی منصوبے آپ نے بتائے ہیں اس کے پورا کرنے میں بھرپور کردار ادا کریں۔"

(روزنامہ الفضل 13/اکتوبر 2011ء)

1972ء میں ان اداروں کو نیشنلائز کر دیا گیا۔ وہ تعلیم الاسلام ہائی سکول جو اپنے علمی ثقافتی اور کھیلوں کی وجہ سے پاکستان میں گنتی کے چند اداروں میں شمار ہوتا تھا۔ اسے نیشنلائز کئے جانے کے بعد جان بوجھ کر گرانے کی کوشش کی گئی۔ احمدیت کے مخالفین اساتذہ کو اس سکول میں تعینات کیا گیا۔ جو اسی سکول میں تعلیم پانے والے طلباء کے دینی دشمن تھے۔ اسی دوران اس کی

عمارت نہایت خستہ ہوگئی تھی بلکہ کھنڈرات کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔اس کی مثال موجودہ تعلیم الاسلام کالج کی خستہ حال عمارت دی جاسکتی تھی۔بعض دفعہ دوران تعلیم چھتوں کے پیلر اور اینٹیں بھی طالب علموں پر گریں جس کی وجہ سے تمام سکول کی عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی گئی گویہ عمارت سابقہ عمارت کے نصف کے قریب ہے۔اس وقت ربوہ کے ارد گرد کے طلباء بھی تعلیم پارہے ہیں۔احمدی طلباء کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

حضور انور نے اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"یہ بھی میں آج آپ کو بتادوں کہ سکول اور کالجز کا 1995-96 میں فیصلہ ہوا تھا کہ جتنے اداروں کے تنظیموں کے سکول قومیائے گئے ہیں Nationalize ہوئے ہیں وہ واپس کر دیئے جائیں گے۔بشر طیکہ ایک ایک سال کی سٹاف کی تنخواہ جمع کرادی جائے اور عیسائی سکولوں نے جمع کروائی،ان کو کچھ ملے۔کچھ کراچی میں ہندو پارسیوں کے سکول تھے ان کو ملے۔ہم نے بھی جمع کروائی،میں اس زمانہ میں ناظر تعلیم ہوتا تھا بڑی کوشش سے ہر جگہ جاکے،خیر کسی طرح فنڈ اکٹھا کر کے کروڑوں میں رقم تھی وہ جمع کروائی اور جیسے کہ حکومت کی عادت ہے وہ بھی ہضم کر لی اور سکول بھی واپس نہیں ہوئے۔"

(روزنامہ الفضل 13/اکتوبر 2011ء)

آخر کار جماعت احمدیہ نے اس مسئلہ کو ختم کرکے نصرت جہاں اکیڈمی،نصرت جہاں انٹر کالج اور بعد ازاں ناصر ہائیر سیکنڈری سکول (نظارت تعلیم نے ناصر ہائیر سیکنڈری سکول کا آغاز خلافت جوبلی کے سال میں کیا) جیسے عظیم ادارے قائم کیے جو اب احمدی طلباء کی علمی ضروریات کو پورا کر رہی ہے اور اس سلسلہ میں اندرون وبیرون ربوہ مزید تعلیمی ادارے کھولے جارہے ہیں۔اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کی علمی و تعلیمی ضروریات کو ہمیشہ پورا کرتا چلا جائے اور احمدی طلباء کو بہترین پڑھائی کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین۔

تصویر: https://slideplayer.com/slide 10822890/

☆...☆...☆

بقیہ: واقعہ کربلا از صفحہ 23

اور اس کا کھویا جانا ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ خلافت ایک بڑی نعمت ہے اور اس کی حفاظت اور استحکام ہمارا انتہائی ضروری فریضہ ہے۔جہاں پہلوں نے ٹھوکر کھائی ان سب مقامات پر ہمیں محتاط رہ کر گزرنا ہے۔اس لیے خلافت کی حفاظت کے لیے پوری طرح چوکس اور بیدار رہ کر کسی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہ کرکے اس کا قرار واقعی نوٹس لینا اور ہر اس کوشش کے خلاف سینہ سپر رہنا جو نظامِ خلافت پر بال برابر بھی اثر انداز ہو سکتی ہو،ایک ضروری فرض ہے۔نیز اس بات پر یقین رکھنا کہ خلافت میں ہماری جان ہے اور خلیفۂ وقت کا وجود ہمارا سائبان۔ہمیں اور ہماری نسلوں کو اسی سایہ تلے رہنا ہے اور اسی کی محبت میں جینا ہے۔اس لیے خلافت سے اپنے پیاروں سے بھی زیادہ پیار کرنا اور اپنے اہل و عیال کو بھی بار بار اس امر کی یاد دہانی کراتے رہنا ایک لازمی فریضہ ہے۔غرضیکہ ہمیں ایمان بالخلافت اور خلافت کے لیے ضروری اعمالِ صالحہ کو بجا لا کر اپنے آپ کو اس قابل بنائے رکھنا ہے کہ قیامِ خلافت کا قرآنی وعدہ ہمیشہ ہمارے حق میں پورا ہوتا رہے۔

اے اللہ تو ایسا ہی کر۔(آمین)

(الفضل انٹر نیشنل 29/اگست 2020ء)

بقیہ: قادیان کی ابتدائی تاریخ از صفحہ 17

کردہ سلسلہ کی ترقی کے ساتھ قادیان کی ظاہری ترقی کے متعلق بھی پیشگوئیاں فرمائیں چنانچہ جب آپؑ نے ماموریت کا دعویٰ فرمایا تو اس وقت قادیان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔آپؑ نے قادیان کے متعلق اپنا ایک کشف بیان فرمایا جو کہ پیشگوئی کا رنگ رکھتا تھا۔آپؑ نے فرمایا:

"ہم نے کشف میں دیکھا کہ قادیان ایک بڑا عظیم شہر بن گیا اور انتہائی نظر سے بھی پرے تک بازار نکل گئے اونچی اونچی دو منزلی یا چو منزلی یا اس سے بھی زیادہ اونچے اونچے چبوتروں والی دوکانیں عمدہ عمارات کی بنی ہوئی ہیں اور موٹے موٹے سیٹھ،بڑے بڑے پیٹ والے جن سے بازار کو رونق ہوتی ہے بیٹھے ہیں اور ان کے آگے جواہرات اور لعل اور موتیوں اور ہیروں،روپوں اور اشرفیوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں اور قسما قسم کی دوکانیں خوبصورت اسباب سے جگمگا رہی ہیں۔یکے،بگھیاں ٹمٹم،فٹن،پالکیاں،گھوڑے،شکرمیں،پیدل اس قدر بازار میں آتے جاتے ہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا بھڑ کر چلتا ہے اور راستہ بمشکل ملتا ہے"(تذکرہ صفحہ 343۔ایڈیشن چہارم)۔

حضرت مسیح موعودؑ کا یہ کشف اُس وقت کا ہے جب قادیان کی ظاہری ترقی کی کوئی دنیاوی راہ اور وجہ نظر نہ آسکتی تھی مگر آج ہر قادیان جانے والا دیکھ سکتا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو ثابت کیا چنانچہ مذکورہ بالا پیشگوئی کے مطابق آج قادیان میں لگنے والی ایک ایک اینٹ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ثبوت ہے اور قادیان میں ہونے والا ہر ترقیاتی منصوبہ حضرت مسیح موعودؑ کے کشفی الہام کو سچا ثابت کر رہا ہے۔

☆...☆...☆

تبرکات

مذہب اور سائنس

(قسط نمبر 3)

قرآن کریم کا یہ طریق ہے کہ ہر بات سے ایک طبعی نتیجہ نکالتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا شرعی نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اس آیت سے طبعی نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ہر چیز مفید ہے۔ اور موذی اشیاء سے بھی خدا کی حمد ہی نکلتی ہے۔اس سے ایک شرعی نتیجہ بھی نکالا ہے اور وہ یہ کہ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ یعنی بعض لوگ جو اس حقیقت کو نہیں سمجھے وہ شرک کرنے لگ پڑے ہیں۔مثلاً زرتشتی مذہب کے لوگ۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ موذی اشیاء کا خالق کوئی اور ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا چونکہ رحیم ہستی ہے اس لئے موذی اشیاء مثلاً سانپ اور بچھو زہر وغیرہ کی پیدائش اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا موذی اشیاء کا خالق کوئی اور ہونا چاہیے۔ مگر یہ غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔انہوں نے موذی اشیاء کی پیدائش کی حقیقی غرض کو نہیں سمجھا۔ ورنہ وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔پس ہر ایک بظاہر لغو اور موذی چیز اصل میں مفید ہے۔اس کی پیدائش کی غرض نیک ہے۔اور اس سے خدا کی حمد ہی ثابت ہوتی ہے۔ہاں اگر ہم قوانین طبعی کی خلاف ورزی کر کے نقصان اٹھائیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کے رحم پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔

ہر چیز کا جوڑا ہے

قرآن نے فرمایا: ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ پیدا کیا ہے۔ یعنی ہر چیز کا جوڑا ہے۔ فرمایا: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الذاریات:50) پھر آتا ہے۔ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (الرعد:4) گویا نر اور مادہ مل کر مکمل ہوتے ہیں۔ اگر یہ دونوں آپس میں نہ ملیں تو ان کی مادی قوتیں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ عرب کو کھجور کے جوڑے کا تو علم تھا مگر ان کو ہر درخت کا جوڑا ہونے کا علم نہ تھا اور نہ ہی غیر ذی روح اشیاء کے جوڑے کا علم تھا جب تک کہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان پر منکشف نہ کیا۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے۔ تم عرب کے لوگوں کو جاہل مت خیال کرو ان کو اس حقیقت کا علم تھا کہ درختوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں۔ میں ایک دفعہ گورداسپور گیا اور وہاں کے ایگریکلچرل فارم کا ملاحظہ کیا۔ تو وہاں کے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھ کو بتایا۔ یہ گیہوں کے خوشے جو ہیں ان میں سے فلاں نر اور فلاں مادہ ہیں۔ جب سائنس میں اور ترقی ہو گی تو باقی درختوں کے بھی جوڑے معلوم ہو جائیں گے۔ غیر ذی روح اشیاء مثلاً بجلی وغیرہ کا بھی جوڑا ہے۔ منفی اور مثبت بجلی کا آپ کو علم ہے۔ غرض اس اصل کو بیان کر کے قرآن کریم نے علمی دنیا پر ایک عظیم الشان احسان کیا ہے اور اس کے لئے آئندہ تحقیقات کا ایک وسیع میدان کھول دیا ہے۔

قرآن نے اس سے ایک شرعی نتیجہ بھی نکالا ہے اور وہ یہ کہ خدا ایک ہے۔ جوڑا احتیاج پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے ہر چیز ناقص ہے کیونکہ ہر چیز کو اپنی طاقت کے نشوونما اور قوتوں کے اظہار کے لئے دوسرے سے ملنا ضروری ہے۔ اپنی ذات میں کامل اور احتیاج سے منزہ صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جسے جوڑے کی ضرورت نہیں۔

کتّے کے چاٹے ہوئے برتن کو مٹی سے ملنا

حدیث شریف میں آتا ہے۔ اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰهُنَّ بِالتُّرَابِ (مسلم کتاب الطهارة باب حکم ولوغ الکلب) یعنی جس برتن کو کتا چاٹ جائے۔ اس کو سات دفعہ مٹی سے مل کر دھونا چاہیے۔ ڈاکٹر کاخ جو جرمنی کے مشہور پیتھالوجسٹ ہیں۔ انہوں نے Pastear Institutes میں جب کام شروع کیا۔ تو انہیں چونکہ اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا شوق تھا۔ اس لئے خیال آیا حدیث میں جو آتا ہے کہ کتّے کے چاٹے ہوئے برتن کو مٹی سے ملنا چاہیے۔ اس میں ضرور کوئی حکمت ہو گی۔ محمد ﷺ دانا آدمی تھے انہوں نے ضرور اچھی بات کہی ہو گی۔ پس انہوں نے تحقیقات شروع کی۔ تو معلوم کیا کہ مٹی کے اندر ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں جو Rabies (کتے کا زہر) کے لئے مفید ہیں اور اس کے مصلح ہیں۔ گویا ان کو اس حدیث نے اس طرف توجہ دلائی۔

چوہے کو مارنے کا حکم

اسی طرح حدیث میں آتا ہے۔ خَمْسٌ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ الْفَأْرَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔

(بخاری ابواب العمرہ باب مایقتل المحرم من الدواب میں حدیث کے الفاظ

یہ ہیں " خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلھن فی الحرم الغراب و الحداۃ و العقرب و الفارۃ والکلب العقور")

کہ پانچ چیزیں بُری ہیں ان کو احرام کی حالت میں اور خانہ کعبہ کے اندر بھی مار دینا چاہئے۔ ان میں سے ایک چوہا ہے۔ گویا اس طرح پلیگ کا راز منکشف کیا گیا۔ اور آج سے تیرہ سو سال قبل بتایا کہ پلیگ کا سبب چوہا ہے جس کی تصدیق حال کی تحقیقاتوں نے کر دی ہے۔ حالانکہ ان کو آج سے تیرہ سو سال قبل پلیگ کے جَرم(Germ) کا پتہ نہ تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہے کو مارنے کا حکم دے کر لوگوں کو بتا دیا کہ یہ مضر جانور ہے۔ اور اس کی اہمیت اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ جس جانور کو بیت اللہ کے اندر مارنے کا حکم ہے (جہاں جوں مارنے کی بھی اجازت نہیں) تو کیا دوسرے مقامات میں اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اور اس کے انسداد کی تدبیر نہ سوچی جائے گی۔

طاعون کے متعلق مزید انکشاف

حدیث شریف میں طاعون کے متعلق بعض اور لطیف اشارات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً صحابہ نے عرض کی کہ طاعون کا کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ جنّ کاٹتے ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 395 مطبوعہ بیروت 1978ء)

جن سے مرض جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اس کا عام جواب یہ کافی تھا کہ طاعون ایک مرض ہے۔ مگر آپ نے ایسا جواب دیا جس میں اس مرض کے مخفی جرمز کی طرف اشارہ تھا۔ حدیث شریف میں بعض اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں اور ان میں سے لفظ جنّ بھی ایک اصطلاح ہے۔ یہاں پر جنّ سے مراد مخفی اور پوشیدہ چیز ہے۔ چنانچہ ایک اور جگہ بھی جن کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ہڈی جنّ کی غذا ہے"۔ (ترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی کراہیۃ ما یستنجی بہ)

جس سے مراد کیڑے اور جراثیم (bacteria) تھی۔ پس اس جگہ جنّ کے کاٹنے سے مراد وہ جنّ نہیں جو لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ جراثیم مراد ہیں۔ اس کا ایک اور حدیث سے بھی ثبوت ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"طاعون متعدی مرض ہے دوسرے علاقوں میں نہ جانا۔"

(بخاری کتاب الطب باب ما یذکر فی الطاعون)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنّ نہیں کوئی اور وجود ہے۔ ورنہ اگر اس سے مراد جنّ ہی ہو تو سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ہمارا محتاج ہے جو ہمارے ذریعے دوسری جگہ جائے گا۔ خود بخود کیوں نہ چلا جائے گا۔ پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا یہ عمل تھا کہ جب طاعون پڑتی تو پھیل جاتے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنّ مراد نہیں بلکہ پلیگ کے جراثیم مراد ہیں جو پھیل جانے، باہر کھلی ہوا، دھوپ اور روشنی میں ڈیرا لگانے سے مر جاتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت نبی کریم کا یہ فرمان کہ جن کاٹتا ہے اس سے مراد پلیگ کے جراثیم تھے نہ کہ حاتم طائی والا جن۔

مسواک کرنے کا طریق

یہ ایک موٹی سی بات ہے مگر اس کا ثبوت بھی حدیث شریف سے ہی ملتا ہے۔ اور وہ مسواک کی ضرورت اور اس کے کرنے کا پُر حکمت طریق ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت کے لئے یہ حکم دوبھر معلوم نہ ہوتا تو مسواک کو فرض کرتا۔

(ترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی السواک)

آج مسواک کے ساتھ ہنسی اور تمسخر کیا جاتا ہے۔ مگر آپ کے نزدیک مسواک کی اتنی اہمیت تھی کہ نزع کے وقت بھی حضور نے مسواک مانگی اور مسواک کی۔ آج کی تحقیقات نے دانت کا جسم انسانی پر عظیم الشان اثر واضح کر دیا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ کئی مزمن امراض(CHRONIC) کا باعث دانت اور مسوڑھوں کی خرابی ہے۔ جسے (PYORRAOCA) کہتے ہیں۔ امریکہ میں جنون کے اسباب کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھایا گیا۔ اس نے کئی ہزار مجانین کے جسم کا معائنہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ 80 فیصدی مجانین میں جنون کا سبب دانت اور مسوڑھوں کی پیپ تھی۔ مسوڑھوں کی خرابی کا زہریلا اثر گلے کی غدود کو پہنچتا ہے اور وہاں سے عروق جاذبہ کے رستے دماغ میں جا کر جنون پیدا کر دیتا ہے۔

میں جب کانفرنس مذاہب کے موقع پر پر لنڈن گیا تو ایک ماہر فن دانت کے ڈاکٹر سے دانتوں کا معائنہ کرایا۔ اس نے کہا دانتوں کو باقاعدہ برش کیا کرو۔ پھر برش کرنے کا طریق بھی بتایا اور اس بات پر زور دیا کہ برش کی حرکت اوپر نیچے ہو۔ یعنی صرف دانتوں کی سطح کو صاف نہ کیا جائے بلکہ کہ دانتوں اور مسوڑھوں کے درمیان جو جگہ ہے اس کو اچھی طرح صاف کیا جائے۔ رسول عربی ﷺ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف حرکت کی جائے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 417 مطبوعہ بیروت 1978ء)

کیونکہ مسوڑھوں کا آخری حصہ نرم ہوتا ہے۔ اور اس کے پیچھے جرمز چھپے رہتے ہیں۔

چونکہ یہ اصولی مضمون ہے اس لئے یہ چار پانچ مثالیں کافی ہیں ورنہ قرآن کی ساری کی ساری تعلیم سائنس پر مبنی ہے جس کا آج سے تیرہ سو سال قبل کسی کو وہم بھی نہ تھا۔ سائنس کی ترقی صرف دو سو سال سے ہے اور نئی تحقیقاتیں اسلامی تعلیم کی حکمت ظاہر کر رہی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مذہب سائنس کا مؤید ہے۔.. (باقی آئندہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے الفاظ میں

عزیزم رؤوف بن مقصود طالبعلم جامعہ احمدیہ یوکے کا ذکر خیر

پہلا جو ذکر ہے وہ عزیزم رؤوف بن مقصود جونیئر بیلجیم کا ہے۔ یہ جامعہ احمدیہ یوکے کے طالب علم تھے۔ 4؍ستمبر کو ان کی وفات ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ اور بیلجیم کی جماعت ہاسلٹ (Hasselt) سے ان کا تعلق تھا۔ 2018ء میں جامعہ میں داخل ہوئے تھے اور وہاں کا اپنا سیکنڈری سکول ختم کر کے یہاں آئے تھے۔ عزیزم اپنی خلوص سے بھرپور طبیعت، خدمت خلق کے جذبے اور مشقت کی عادت کی بنا پر طلباء اور اساتذہ میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ کچھ دیر پہلے ان کو برین ٹیومر ہوا تھا۔ چھ سات ماہ یہ بیمار رہے۔ بڑے صبر اور بہادری سے بیماری کا مقابلہ کیا۔ آخر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ان کے دادا کے ذریعے سے غالباً 1950ء میں ان کے خاندان میں احمدیت آئی تھی اور ان کے دادا کا اچھا اثر و رسوخ تھا۔ اس وقت تو رشتہ داروں نے اور مخالفین نے کچھ نہیں کہا لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی فیملی کو کافی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی والدہ کی طرف سے بھی ان کے پڑنانا عبدالعلی صاحب اور ان کی اہلیہ نے حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ رؤوف بن مقصود کے جو پسماندگان ہیں ان میں والدین کے علاوہ تین بہنیں اور دو بھائی شامل ہیں اور ہمایوں مقصود صاحب والد ہیں محسنہ بیگم صاحبہ والدہ ہیں۔ عزیزہ نشاط بیٹی ہے عمر اٹھارہ سال۔ عزیزم صالح بیٹا ہے عمر چودہ سال۔ عزیزہ تَشْنِیہ حُمَیْزَہ یہ نو سال کی ہے۔ عزیزم فاتح بن مقصود سات سال کا ہے۔ عزیزہ جَنّۃ السَّامِیَہ چار سال کی ہے۔

بیلجیم کے امیر صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں بچپن سے دیکھنے کا مجھے موقع ملا اور عزیزم کو غیر معمولی بچہ پایا۔ جب بھی عزیزم کی جماعت میں جانے کا موقع ملا اس کو ہمیشہ مسجد کے ساتھ وابستہ اور خوش اخلاق پایا۔ وفات کے بعد دو دن بیت الرحیم آلکن میں افسوس کے لیے لوگوں کے آنے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ جماعت سے بڑی تعداد میں لوگ اس میں شامل ہوئے اور ان میں بہت سے افراد کو روتے دیکھا۔ ان سب نے عزیزم کے بے شمار واقعات بتائے۔ بیماری کے شروع میں ڈاکٹر نے ان کو بتا دیا تھا کہ ان کو برین کینسر ہے جو کہ زندگی کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود کبھی نہ تو ان کے چہرے پر مایوسی آئی اور نہ ہمت چھوڑی۔ ڈاکٹر کے

ساتھ میٹنگ میں ایک ڈاکٹر نے کہا کہ جب موصوف بول سکتے تھے تو ان سے میری گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے ان کو بہت غیر معمولی نوجوان اور روشن دماغ پایا۔ ڈاکٹرز کا یہ بھی کہنا ہے کہ موصوف نے انتہائی تکلیف دہ بیماری میں بھی کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ ڈاکٹرز کے نزدیک اس حالت میں مریض کو بعض اوقات شدید غصہ آ جاتا ہے لیکن انہوں نے بڑی ہمت دکھائی اور صبر کا مظاہرہ کیا۔ امیر صاحب پھر لکھتے ہیں کہ عزیزم کمال درجہ کی خلافت سے محبت رکھنے والے اور کامل اطاعت کرنے والے تھے۔ ہمیشہ چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی اور ہر ایک سے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، بڑے احترام اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔

ہاسلٹ کے مربی صاحب کہتے ہیں کہ بیماری کی تشخیص سے قبل میں نے رمضان میں ان سے اطفال کی کلاسز آن لائن لینے کے لیے کہا تو بڑی باقاعدگی سے کلاسز لیتے رہے یہاں تک کہ جب اس بیماری سے ہسپتال داخل ہوئے تو بیماری کے باوجود ہسپتال سے بچوں کی کلاس لیتے رہے یہاں تک کہ بعض اوقات کلاس لیتے لیتے بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور پھر جب طبیعت سنبھلتی تو دوبارہ کلاس شروع کر دیتے۔ کبھی یہ نہیں کہا

کہ میں تکلیف میں ہوں، کلاس نہیں لے سکتا۔ اطفال نے بھی اس کا اظہار کیا کہ جب آپ کو تکلیف ہے تو کلاس نہ لیں تو موصوف نے ہمیشہ یہ کہا کہ جب واپس جامعہ کھلے گا تو میں جا کے خلیفۃ المسیح کو کیا جواب دوں گا کہ میں نے چھٹیوں کے دوران کیا جماعتی خدمت کی ہے۔ ایک شوق تھا۔ ایک جذبہ تھا۔ ایک لگن تھی۔

پھر دوسرے مربی سلسلہ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ 2010ء میں ایک ہفتہ کے لیے انہوں نے وقف عارضی کیا۔ اس وقت ان کو ان کے والد میرے پاس چھوڑ گئے کہ یہاں رہیں گے کیونکہ اس نے جامعہ میں جانا ہے اس کی ٹریننگ کریں۔ کہتے ہیں اس وقت بھی میں نے اس کو دیکھا کہ پانچ نمازوں کی ادائیگی کے علاوہ صبح اٹھ کر نماز تہجد کی بھی ادائیگی کیا کرتے تھے۔ مسجد آلکن جب تعمیر یا رینوویشن اس کی ہو رہی تھی، تبدیلی ہو رہی تھی تو اس وقت انہوں نے باقاعدہ وقار عمل میں حصہ لیا اور سیکرٹری جائیداد کہتے ہیں کہ بڑا مشکل اور بھاری کام پتھر اٹھانے، بجری اٹھانے وغیرہ کا اپنے ذمہ لیتے تھے اور بڑی خوشی سے یہ کام کرتے تھے اور ایک خوبی ان میں یہ تھی کہ سب کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ ان کی والدہ بتاتی ہیں کہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتے تھے۔ عام طور پر سکول اپنا کھانا لے کر جاتے اور وہاں کھا کے آیا کرتے تھے۔ ایک دن گھر آ کے والدہ کو کہا کہ مجھے کھانا دیں۔ میں نے کہا کہ تم لے کر تو گئے تھے تو انہوں نے کہا: ایک بچہ کھانا نہیں لے کے آیا تھا تو اسے میں نے اپنا کھانا دے دیا کہ میں گھر میں جا کے کھالوں گا۔ اسی طرح اپنے دوستوں کے بارے میں فکر مند رہتے اور ان کو کہا کرتے تھے کہ مجھے تمہارے مستقبل کی فکر رہتی ہے۔ اپنے جو قریبی تھے ان کو کہا کرتے تھے کہ اچھے اخلاق والے دوست چنو اور اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ اجتماعات وغیرہ، جلسے وغیرہ میں لگن سے ڈیوٹی دیا کرتے تھے بلکہ ان کے افسر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کی سکیورٹی ڈیوٹی تھی میں نے رات کو کچھ کھانے کو پیش کیا تو موصوف نے کہا پہلے جو میرے ساتھی ہیں ان کو دے دیں۔ بعض والدین کو جن کے بچے وقفِ نو میں شامل ہیں ان سے بھی باوجود چھوٹے ہونے کے اکثر پوچھتے رہتے تھے اور تلقین کیا کرتے تھے کہ کوشش کریں کہ آپ کا بچہ جامعہ میں جائے۔

ان کی والدہ نے بھی بلکہ دونوں والدین نے والد نے اور والدہ نے بھی بڑی ہمت سے ان کی بیماری کا یہ عرصہ گزارا ہے۔ والدہ ان سے کہا کرتی تھیں کہ ہم نے تمہیں خدا کی راہ میں وقف کر دیا تھا اب بھی جہاں تم جا رہے ہو ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کیا تھا اور کوئی امید نہیں تھی تو بڑے حوصلے سے انہوں نے کہا وہ جگہ جہاں تم اب جا رہے ہو وہ بھی بڑی اچھی جگہ ہے اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی تلقین کرتی رہیں۔ وہ خود بھی اللہ کی رضا پر راضی تھے۔ پھر انہوں نے اپنی ایک تصویر جو میرے ساتھ کھنچوائی ہوئی تھی ہسپتال میں اپنے بیڈ کے سامنے رکھوا لی جو اکثر تبلیغ کا ذریعہ بنتی اور ڈاکٹر پوچھتے تھے کہ کون سی کمیونٹی سے تمہارا تعلق ہے؟ ان کو بتایا جاتا کہ ہم جماعت احمدیہ سے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح جو آنے والا تھا وہ آ گیا اس پر آگے تبلیغ چلتی تھی۔ امیر صاحب کہتے ہیں کہ میں انہیں کہا کرتا تھا کہ تم بے شک بیمار ہو لیکن اس کے باوجود تبلیغ کا ذریعہ بن رہے ہو اور اس بات پر بڑے خوش ہوتے تھے۔

پھر صدر خدام الاحمدیہ بیلجیم کہتے ہیں کہ ان کو خلافت سے انتہا کا عشق تھا۔ کہتے ہیں ایک دن میں نے اطفال اور وقفِ نو کی کلاس میں خلیفہ وقت کو خط لکھنے کے لیے کہا اور خط لکھوائے تو موصوف میرے پاس آئے اور کہنے لگے مربی صاحب مجھے اردو میں خط لکھنا نہیں آتا۔ مجھے آپ لکھ کے دیں میں نقل کر لوں گا۔ پھر اس کو دیکھ دیکھ کے ہاتھ سے لکھوں گا تو مَیں نے اسے کہا کہ باقی بچے ڈچ میں لکھ رہے ہیں تم بھی لکھ دو۔ یہ جامعہ آنے سے پہلے کی بات ہے تو موصوف نے جواب دیا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ میرا خط براہِ راست خلیفۂ وقت تک پہنچے اور وہ میرے لیے دعا کریں۔ پھر یہ مربی صاحب کہتے ہیں کہ عزیزم رؤوف بن مقصود جو کھڑے ہو کر یہ عہد کرتے تھے کہ مَیں اپنی جان اور مال اور وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لیے ہر دم تیار رہوں گا تو موصوف نے یہ عہد آخری سانس تک پورا کیا۔ بہت بڑی تعداد ان کے غیر از جماعت بیلجین دوستوں کی تھی اور کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں بِلک بِلک کر روتے دیکھا ہے۔ جب میں نے ایک دوست سے عزیزم رؤوف بن مقصود کے بارے میں پوچھا تو وہ روتے ہوئے کہنے لگے کہ آج ہمارا بہت ہی پیارا اور خیال رکھنے والا دوست ہم سے جدا ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایسے ہمدرد دوست بھی کسی کسی کو ملتے ہیں۔

پھر تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ Messiah has come کی ہم نے تحریک شروع کی تو جہاں بعض دفعہ دوسرے لوگ ہچکچاتے تھے یہ پکڑ پکڑ کے لوگوں کو لے کے آتے تھے اور ان کو تبلیغی لٹریچر دیتے تھے اور گفتگو کرواتے تھے اور مہمانوں کا تعارف بھی کرواتے۔ ہر تبلیغی نشست میں مہمان بھی لے کے آتے۔ بہرحال یہ جامعہ پاس کرنے سے پہلے ہی بہترین مربی اور مبلغ تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں کی حکمت خود جانتا ہے۔ بعض دفعہ بہترین انسانوں کو جلد اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور درجات بلند کرے۔ ان کے والدین کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔ (الفضل انٹرنیشنل 25/ ستمبر 2020ء)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے دعاؤں کی تازہ تحریک

حضرت امیر المومنین ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 21؍ اگست 2020ء میں پاکستان میں احمدیوں کی مخالفت کی تازہ لہر کا ذکر کرتے ہوئے دعا کی درج ذیل تحریک فرمائی:

آج کل پاکستان میں مخالفت پھر زوروں پر ہے بلکہ ممبران اسمبلی بھی جھوٹی باتیں ہماری طرف منسوب کر کے عوام کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کر رہے ہیں، غلط طور پر ان لوگوں کی غلط حرکات کو پیش کیا جاتا ہے جن کا جماعت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور پھر پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ احمدی تھے حالانکہ ان کا، ان حرکت کرنے والوں کا جماعت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

اسی طرح آج کل سستی شہرت کے لیے ہر گھسا پٹا انسان یوٹیوب پر جماعت کے خلاف اپنے پروگرام بنا کر اور غلط باتیں منسوب کر کے سمجھتا ہے کہ میں بڑا ثواب کا کام کر رہا ہوں حالانکہ نیک نیت نہیں ہے۔ وہ لوگ صرف اپنی سستی شہرت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان شریروں کے شر ان پر الٹائے۔ ان دنوں میں خاص طور پر پاکستان کی جماعت کو بھی، دنیا میں بھی ہمیں بہت زیادہ دعائیں کرنی چاہئیں۔

رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ بہت پڑھیں۔

(ترجمہ: اے میرے رب! ہر چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے رب! پس تو میری حفاظت فرما اور میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما۔)

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ بہت پڑھیں۔

(ترجمہ: اے اللہ! تو ہی ان پر ایسا وار کر جس سے ان کی زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور ہم ان کی شرارتوں سے بچ جائیں۔)

درود شریف بہت پڑھیں۔

(اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ)

اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو ان شریروں کے شر سے محفوظ رکھے۔ جوں جوں یہ دشمنی بڑھ رہی ہے توں توں ہمیں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا چاہیے۔

☆…☆…☆